بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کی علمی بے تعصبی اور ہمارے ہندو بھائیوں کی ناسپاسی

چند روز ہوئے اردو معلیٰ میں ملا مسیحی کی رامائن پر ایک ہندو مضمون نگار کا ایک مضمون شائع ہوا تھا مضمون کا مقصد بظاہر کتاب پر تقریظ لکھنا تھا لیکن مضمون نگار نے تقریظ کے پردہ میں جن فیاضانہ خیالات کا اظہار کیا اسکے اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

"صدیوں سے ایک ایسی کتاب گمنامی کے ظلمات میں پڑی ہوئی تھی وجہ شاید یہ ہو کہ مسلمانوں نے اسے پسند نہ کیا ہو" مسلمانوں نے صدیوں اس ملک پر مسلسل حکومت کی اور اسکا خاتمہ بھی ہو گیا مگر اس ملک کے علم ادب کی طرف انھوں نے بہت کم توجہ کی۔ ہندو جب انکی رعایا تھے تب بھی وہ ہندوں کے علم ادب سے بیخبر تھے ×× امیر خسرو نے یہاں کی زبان کی طرف توجہ کی تھی مگر محض تفریح کے طور پر وہ ہندی زبان میں کچھ کہ لیا کرتے تھے، ہندوؤں کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف کبھی ان کا خیال نہیں ہوا نہ وہ کچھ انکی خبر رکھتے تھے۔

"مگر عہد اکبری میں جو کچھ ہوا وہ بہت محدود تھا"

"دارا شکوہ نے البتہ ہندوؤں کی اونچے درجہ کی کتابوں کی طرف بھی توجہ کی تھی ×× اس کوشش کی بدولت جو آپنے ہندوؤں کی کتابوں کا مطلب جاننے کیلئے کی تھی آپکو کفر کا فتویٰ ملا اور جان دینا پڑی۔

"ملا مسیح کے نام تک کا پتہ نہیں چلتا صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ پانی پت کے رہنے والے تھے"

"اس زمانہ میں کوئی ہندوانہ قصہ لکھنا مسلمانوں کے لئے آفت سے کم نہ تھا، ہندوں کی کوئی بات اپنے قلم سے لکھنے میں مسلمان مصنف کو کافر بننے کا خوف اتنا تنگ کرتا تھا کہ وہ ایک دم گھبرا جاتا تھا، ملا مسیح نے رامائن تو لکھی ہے مگر غریب کو بہت کچھ ثبوت دینا پڑا کہ میں پکا دیندار مسلمان ہوں کافر نہیں ہو گیا ہوں شاید ان لوگوں نے رامائن لکھنے پر آمادہ دیکھکر کافر کہا ہو آپکے عذر گناہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ جہانگیر کیوقت تک بھی ہندوؤں کی باتوں کی طرف متوجہ ہونیسے مسلمان لوگ کافر سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے لٹریچر سے سدا محرومی حاصل رہی اور اسکا سلسلہ آجتک ویسا ہی چلا آتا ہے"

یہ مضمون اس شخص کے قلم سے نکلا ہے جو کلکتہ کے مشہور اخبار بھارت مترکا اڈیٹر ہے اردو معلیٰ نے اسکو بغیر کسی قسم کے ریمارک کے شائع کیا ہے اور ہندوؤں کے مشہور اردو رسالوں میں بڑی قدردانی کے ساتھ گردش کر رہا ہے۔

میں سے کسی فرقہ کے ممتاز اور مسلم لیڈر ہیں۔ کیا انکے قلم سے اسی قسم کے خیالات ظاہر ہونے چاہییں۔
لیکن اس سے قطع نظر کرکے کیا درصل یہ واقعات صحیح ہیں؟ کیا مسلمان ہندوؤں کے ادب و تاریخ جاننے کو کفر سمجھتے تھے؟ کیا دارا شکوہ اسی جرم کا شہید ہی؟ کیا امیر خسرو کو ہندوؤں کی کتابوں کی مطلق خبر نہ تھی؟ کیا مسیح کی رامائن مسلمانوں کی تعصب کی وجہ سے گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی؟ کیا تاریخ کے صفحوں میں مسیح کا کہیں پتہ نہیں چلتا؟

اخیر سوال اگرچہ تمام سوالوں کی بہ نسبت کم درجہ کا سوال ہی لیکن ہمکو سب سے پہلے اسی کا جواب دینا چاہیے کیونکہ اس سے ہمکو اس بات کی اندازہ کرنیکا موقع ملیگا کہ ہمارے مضمون نگار دوست کو مسلمانوں کے لٹریچر اور تاریخ سے کس حد تک واقفیت ہی؟ مسیح کی نسبت وہ تحریر فرماتے ہیں۔ (دو مسیح کے نام تک کا پتہ نہیں چلتا،،)

لیکن فارسی شعرا کا کوئی تذکرہ ایسا نہیں جسمیں مسیح کا نام، اور اُسکے حالات نہوں۔ امرائے جہانگیری میں مقرب خاں ایک مشہور امیر تھا جو صل میں پانی پت کا رہنے والا تھا لیکن کرانہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ مسیح اسی کا پروردہ تھا وہ درصل کرانہ کا رہنے والا تھا لیکن چونکہ مقرب خاں کے دامن تربیت میں پلا تھا آقا کی طرح وہ بھی پانی پت کے انتساب سے مشہور ہوگیا تذکرہ نہیں اسکی رامائن کا عموماً ذکر ہی مآثر الامرا میں رامائن کے چند منتخب اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

مسلمانوں نے ہندوؤں کے علوم و فنون کو جس ذوق شوق سے سیکھا اور انمیں جو مہارت حصل کی اُسکو اپنی کتاب تراجم (مندرجہ رسائل شبلی) میں تفصیل سے لکھا ہی افسوس ہمارے ہندو دوست نے اس داستان کا ایک حرف بھی نہیں سنا ہی، ابو معشر فلکی نے دس برس ہندوستان میں رہکر جسطرح سنسکرت میں کمال پیدا کیا اور ہندوؤں کے علوم و فنون پر مبسوط کتاب لکھی (یہ کتاب معہ ترجمہ انگریزی لندن میں چھپ گئی ہی) فیروز شاہ نے جن کتابوں کا ترجمہ کرایا اکبر کے دربار نے سنسکرت کتابوں کے ترجمہ کرانے میں جو شاہانہ فیاضیاں دکھائیں شہزادہ دانیال کو ہندی زبان کے ساتھ جو شغف تھا، آزاد بلگرامی نے ہندی صنائع و بدائع پر جو مضامین لکھے قاسم فرشتہ نے اختیارات قاسمی لکھکر ہندوؤں کے علم طب کو جسطرح فارسی زبان میں منتقل کیا؟ یہ واقعات اگرچہ ہمارے ہندو دوستوں کے کانوں تک نہیں پہنچے، لیکن مسلمانوں کی انجمن کے پارینہ افسانہ ہیں اور اسی لیئے ہم اُنکو دہرانا نہیں چاہتے۔ لیکن ایک عام غلطی کا رفع کردینا ضروری ہی عام خیال یہ ہی کہ پادشاہان ہندوستان میں سب سے پہلے جس نے ہندو پنڈتوں کو دربار میں دخل دیا، اور سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے وہ شہنشاہ اعظم اکبر تھا لیکن یہ ایک سخت تاریخی غلطی ہی اکبر سے سیکڑوں برس پہلے سلطان زین العابدین فرمانروائے کشمیر نے اس علمی جمعیت کی بنیاد ڈالی تھی ہندوؤں سے جزیہ لینا بھی، اول اُسی نے موقوف کردیا تھا اور گاؤکشی بھی اُسی نے بند کردی تاریخ فرشتہ میں سلطان زین العابدین کے حالات میں ہے۔

در معابد مقررۂ هنود اوقات معین نمود جزیه را مانع گشت و گاوکشی برطرف ساخت و شاه بتحصیل زبانها فارسی و هندی و تبتی نموده [illegible] از کتب عربی و فارسی بزبان هندی ترجمه کردند

وبدیں دستور کتاب ہندوی بفارسی ترجمہ کردند وکتاب مہابھارت کہ از کتب مشہورۂ ہند ست نیز فرمود تا ترجمہ کردند وکتاب
راج ترنگی کہ عبارت از تاریخ بادشاہان کشمیر ست در عہد او تصنیف شدہ در زبان اکبر شاہ ترجمہ مہابھارت را کہ بد عبارت بود
بار دیگر بہ عبارت فصیح آوردند و تاریخ کشمیر را نیز بہ فارسی ترجمہ کردند،،

ہندؤں کو کاروبار سلطنت میں دخل دینا بھی اکبر کی ایجاد نہیں ابراہیم عادل شاہ جو دکن کا مشہور بادشاہ گذرا ہی اور اکبر سے بیس بائیس برس پہلے یعنی ۹۴۲ھ ہجری میں تخت نشین ہوا اُسنے تمام کاروبار سلطنت ہندوں کے ہاتھ میں دیدیا تھا یہاں تک کہ دفتر کی زبان بھی بدل دی تھی یعنی فارسی کے بجائے ہندی کردی تھی تاریخ فرشتہ میں اسکے حالات میں لکھا ہی۔

دفتر فارسی برطرف ساختہ بہا منہ (یعنی برہمن) را صاحب دخل گردانید۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ابراہیم عادل، اکبر کیطرح، ضعیف المذہب تھا بلکہ سخت مذہبی آدمی تھا اُسکا خاندان ایک مدت سے شیعی مذہب تھا لیکن اسنے مذہب حنفی اختیار کیا اور تمام ملک میں اسکو رواج دیا،،

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں لیکن ہم اسوقت ان جزئیات سے بحث کرنی نہیں چاہتے اکبر ابراہیم عادل فیروز شاہ ابو معشر فلکی ابوریحان بیرونی فیضی غلام علی آزاد نے جو کچھ کیا گو بہت کیا لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا اکبر وغیرہ فرمانروا تھے اس لئے اُنھوں نے جو کچھ کیا ممکن ہی کہ ملکی مصلحتوں کے لحاظ سے ایسا کرنے پر مجبور تھے ابوریحان بیرونی وغیرہ کے کارنامے بھی علمی مذاق کے جوش کیطرف منسوب کرسکتے ہیں اس سے اسبات کا ثبوت نہیں ہوتا کہ وہ ہندوں کے علوم و فنوں کے مداح و معترف بھی تھے۔

آج یورپ والے ادنی قوموں کی زبانیں اور اُنکے علوم و فنوں سیکھتے ہیں لیکن مدح و تحسین کیلئے نہیں بلکہ محض واقفیت کے لئے، بلکہ کبھی کبھی صرف ہنسی اُڑانے کیلئے۔ اصل سوال یہ ہی کہ کیا مسلمان ہندؤں کے علوم و فنون کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے؟ کیا انکو ہندؤنکی سرزمین سے مذہب سے زبان سے کسی قسم کا مذہبی تعصب نہیں تھا؟ ہمارے ہندو مضمون نگار نے اس سوال کا جواب صاف لفظوں میں یہ دیا ہی کہ ہندؤنکے علوم اور زبان کیطرف متوجہ ہونیکو مسلمان کفر خیال کرتے تھے ہمارے ہندو دوست کی تاریخ دانی سے اسی جواب کی توقع ہوسکتی تھی لیکن حقیقت حال یہ ہی کہ مسلمانوں نے نہ صرف ہندؤں کے علوم و فنون کو بلکہ ہندوستان کی سرزمین کو بھی اس وقعت کی نگاہ سے دیکھا کہ کسی اجنبی قوم سے توقع نہیں کیجاسکتی؟ اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہی کہ ہندوستان کی فضیلت نے مذہبی حیثیت پیدا کی اور حدیث و تفسیر کی مقدس کتابوں میں اس قسم کی روایتیں درج کی گئیں۔

مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب ''غزلان الہند'' کے دیباچہ میں اپنی کتاب کی تصنیف کی غرض بیان کی ہی

اول این کہ ذکر ہندوستان بہشت نشان از کتب تفسیر و حدیث رقم باید ساخت،،

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، ابن جریر، حاکم، بیہقی، اور ابن عساکر سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہی

اطیب دیکھا ارض الھند — سب سے زیادہ خوش ہوا ہندوستان کی سرزمین ہے

اسی کتاب میں متعدد روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ حضرت آدم بہشت سے نکلکر ہندوستان میں آئے اور اپنے ساتھ وہاں کی خوشبودار ریاحین بھی لیتے آئے ایک شاعر نے اسی مضمون کو اس پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

ہند است کہ نعم البدل فردوس است — آدم ز بہشت بین کہ افتاد بہ ہند

اگرچہ یہ حدیثیں اور روایتیں قطعاً موضوع اور جعلی ہیں لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی خوبی اور لطافت کے متعلق مسلمانوں کا خیال تھا۔ ہندوستان کے علوم و فنون کو مسلمانوں نے جس نگاہ سے دیکھا اسکی یہ کیفیت ہے کہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب غزلان الہند میں شیخ علی رومی کی کتاب محاضرۃ الاوائل مسامرۃ الاواخر سے یہ فقرہ نقل

اول موضع وضعت *	سب سے پہلے جس سرزمین میں کتابیں تصنیف
فیہ الکتب وانفجرت منہ	کی گئیں اور جہاں سے حکمت کا چشمہ نکلا
ینابیع الحکمۃ کان الھند	وہ ہندوستان ہے۔

ملا محب اللہ بہاری نے سلم الثبوت میں لکھا ہے "بعض بزرگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہندوستان کے شمالی پہاڑوں میں میں نے ایک برہمن کو دیکھا جسکو ایسے کلیات معلوم تھے جنکے ذریعہ سے وہ ہر زبان کو سمجھ لیتا تھا"

آزاد بلگرامی غزلان الہند میں لکھتے ہیں "جمہور اتفاق دارند کہ حکمائے یونان در علوم ریاضی قصب السبق از دانایان جہان ربودہ اند الا حساب و موسیقی کہ درین دو فن ہندیان پیش قدم اند و این دو فن را بجائے رسانیدہ اند کہ فوق آن متصور نیست و علمائے ولایات دیگر اکثر قواعد علم حساب را از ہندیان برگرفتہ اند اما قواعد علم موسیقی را احدی از دانایان ولایت دیگر تا این زمان از نغمہ سرایان ہند اخذ نکردہ و اختصاص این فن تا حال بہ اہل ہند مسلم۔"

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں "از دم بریں کہ دانایان ہند در اختراع فن بدیع بسر خود واندند از خرمن عرب خوشہ چیدہ اند نہ از ساغر فرس قطرہ چشیدہ چہ زبانہ علم و علمائے ایشان قدمے دارد کہ در جانب ازل حد آن معلوم نیست۔"

علامہ آزاد نے غزلان الہند کے دیباچہ میں تالیف کتاب کے جو اسباب لکھے ہیں ان میں دو سبب یہ ہیں۔

"سوم این کہ بعضے صنائع علم ہندی را تعریب باید نمود" "چہارم این کہ فن نایکا بھید را کہ باہتیش بجائے خود بیان شود از ہندی بہ عربی باید برد این ارمغان شگرف را کہ مخصوص ہندیان ست بہ خدمت عرب باید سپرد"

سلطان فیروز شاہ جو سلطان محمد تغلق شاہ کا برادر عم زاد اور ۷۵۲ھ ہجری میں تخت نشین ہوا تھا جب کانگڑہ کی تسخیر کیلئے گیا اور جوالامکھی کی سیر کی تو وہاں کے کتب خانہ کو بھی دیکھا۔

"تاریخ سیر المتاخرین میں جہاں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے"

"و نیز در آن مکان کتب بسیاری از براہمہ سلف یافتند سلطان علمائے آن طائفہ را بحضور خویش طلب داشتہ مضامین آن را

شنیدہ محظوظ گردید و فرمود بعضے ازان کتب را بہ فارسی ترجمہ کنند تا مطلب آن درست و بہ آسانی فہمیدہ آید مولانا [illegible]
اعزالدین حسب الامر کتابے در حکمت طبیعی ازآن کتب چیدہ مطالب آن را در سلک نظم کشید و بکتاب فیروز شاہی موسوم
گردانید سلطان بغایت پسندیدہ بہ صلۂ آن نقود بسیاری از طلا و نقرہ بہ اضافہ جاگیر مرحمت کرد و مضمون آن کتاب اکثر اوقات مذکور

ہمارے دوست ہندو فرماتے ہیں کہ ہندؤں کے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنے سے مسلمان معرض خطر میں پڑجاتا
تھا اور کافر خیال کیا جاتا تھا لیکن عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ خطرہ کے بجائے ہندی تصنیفات کے ترجمہ
کرنے سے انعام اور منصب جاگیریں ملتی تھیں ع بہ بیں تفاوت ایں رہ کجاست تا بکجا * یہ بھی ملحوظ رہے کہ فیروز شاہ
اکبر کی طرح دنیا ساز اور ظاہر دار نہیں تھا بلکہ ٹھیٹ مسلمان اور سخت پابند مذہب اور ان باتوں کا نہایت شائق تھا اور انصاف پرست

حضرت امیر خسرو دہلوی نے ایک مثنوی نو بحروں میں نہ سپہر نام لکھی ہے جس میں ایک مستقل باب ہندوستان
کے فضائل کا قائم کیا ہے اور فضیلت کے مختلف وجوہ قرار دئے ہیں ان وجوہ میں سے ایک وجہ فضیلت علمی
قرار دی ہے اور اس پر دس دلیلیں قائم کی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔
(۱) یہاں تمام دنیا کی بہ نسبت علم نے زیادہ وسعت حاصل کی (۲) ہندوستان کے آدمی دنیا کی تمام زبان حاصل کر سکتے
ہیں لیکن اور کسی ملک کا آدمی ہندی زبان نہیں بول سکتا (۳) ہندوستان میں دنیا کے ہر حصہ کے لوگ علم کی تحصیل
کیلئے آئے لیکن کوئی ہندی تحصیل علم کے لئے ہندوستان سے باہر نہیں گیا (۴) علم حساب میں صفر ہندوستان کی ایجاد
ہے (۵) کلیلہ دمنہ جو تمام دنیا کی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہندوستان کی تصنیف ہے (۶) شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے۔ (۷) موسیقی [illegible]
ناظرین کی دلچسپی اور مزید اطمینان کیلئے ہم کتاب مذکور کے اصل اشعار حاشیہ میں نقل کر دیتے ہیں۔

تا شود در سخن بندہ شکے
ہست دوم آن کہ ز ہند آدمیان
ہست خطا و مغل و ترک و عرب
کیں طرفہ از ہر طرفے اہل ہنر
نیست نہاں آن کہ سوئے ہند مگر
پس فن تنجیم در آموخت پنہاں
او رقم خود کہ نمودست ہمہ
ہم بہ یکے صفر کہ نقشے است تہی
ہندا سا شد چو از و نام عدد
حجت پنجم بہ بیان شرح کنم

حجت این گفت دہ آرم نہ یکے
جملہ بگویند زبان ما بہ بیاں
در سخن ہندوی ما دوختہ لب
در طلب علم و ہنر کرد گذر
کرد ابو معشر دانندہ گذر *
کز حکما بر د دریں شیوہ عناں
آن ز سیاہی ہنود ہست ہمہ
بین چہ رموز است چو نطقش دہی
ہندسہ تخفیف شد از اہل خرد
مدعیاں را بہ خرد حجت کنم

اولش آن شد کہ دریں ملک بروں
لیک از اقصائے دگر ہر کسے
حجت سوم نگر از من بہ بہ خسرو
لیک بہ تحصیل حکم بہر شرف
آمد و دہ سال در آموخت سخن
ہست یقین آن کہ دریں علم کسی
حجت چارم رقم ہندسہ بین
واضع این تختہ اسا نام یکے
وضع وی از برہمن نادرہ بین
دمنہ کلیلہ ز وی و دام سخن

علم ہمہ جا ہست ز اندازہ فزوں
گفت بسیار سخن ہند بسے
کان زرہ عقل قبول است نہ رد
برہمن از ہند نہ شد ہیچ طرف
مدحد بنارسی آن شہر کہن
نیست چو او تجربہ کردم بسے
کاہل جہاں وضع ندیدند چنین
بود برہمن کہ دریں نیست شکے
حکمت یوناں شدہ محتاج بریں
آنکہ ہم از ہند نشانیست کہن

حضرت امیر خسرو نے صرف ہندوؤں کی علمی فضیلت ہی ثابت کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُنکے مذہب کا بھی اسلام کے علاوہ اور تمام مذاہب سے مقابلہ کیا ہی اور ترجیح دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

برہمن از ہستی او راندہ نفس — از ثنوی کش بہ دوی رفتہ وبس
عیسویاں زوج و ولد بستہ برد — ہندو ازین جنس نہ پیوستہ برد
قوم مجسم رقم جسم زدہ — برہمناں نے دم ازین قسم زدہ
اختریاں ہفت خدا بردہ گماں — گفتہ یکے ہندو و ثابت ہماں

اسی باب میں اس سے پہلے ہندوؤں کے علوم و فنوں کی عام طور پر تعریف کی ہی چنانچہ کہتے ہیں۔

منطق و تنجیم و کلام ست درو — ہر چہ کہ جز فقہ تمام ست درو
قوم مشبہ سو تشبیہ شدہ — ہندو ازین ہاش بہ تنزیہ شد
خلق دگر نور و ظلم خواندہ بدل — ہندو ازین ہا ہمہ پیوند گسل

ان شعار میں ہندو مذہب کی ترجیح کے وجوہ یہ بیان کئے ہیں کہ ثنوی فرقہ خدا کو دو مانتا ہے بخلاف اس کے ہندو ایک مانتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں لیکن ہندو اس قسم کے عقائد قائل نہیں فرقہ مجسمہ خدا کو صاحب جسم مانتا ہی لیکن ہندو ایسا اعتقاد نہیں رکھتے ستارہ پرست سات خدا مانتے ہیں لیکن ہندو اس قسم کے عقاید کے قائل نہیں فرقہ مشبہ خدا کو ممکنات سے تشبیہ دیتے ہیں ہندو اسکے خلاف ہیں پارسی نور و ظلمت دو خدا مانتے ہیں لیکن ہندو اس خیال سے بری ہیں،

اسی کتاب میں حضرت امیر خسرو نے سنسکرت سیکھنے کا بھی ذکر کیا ہی چنانچہ فرماتے ہیں۔

من قدرے بر سر این کار شدم — در دل شاں محرم اسرار شدم
ہر چہ بہ اندازۂ خود رمز خرد — جستم ازاں قوم و نہ بود از در رد[1]

گشت چو بود ست بہ معنی ہنرے	پارسی و ترکی و تازی درسے	حکمت ازین ہر چہ بود کنہ ہمہ سو	سوے وے آرند حکیماں ہمہ رد
حجت ششش بازی شطرنج شنو	اینکہ از سینہ بر در بیخ شنو	ہست ہم از ہند یکے وضع گراں	این فن طرفہ کہ درو نیست کراں
ز و حد و اندازہ بجستند بسے	غایت و پایانش ندانست کسے	چوں ہمہ گشتند بہ اجماع زبوں	کین چنین از صور امکاں ست بروں
بہ تری از ہند بجستند ہمہ	معترف عجز نشستند ہمہ	حجت ہشتنت آن کہ مرد خوش با	کہ ستہ لبوز دل و جاں آتش با
برہمہ دانستہ کہ دیر جملہ جہاں	نیست بریں گونہ و این نیست نہاں	برہمنے ہست کہ در علم خرد	دفتر قانون ارسطو بدرد
مسلم و گبر ہر چہ معقول سخن	بیش ترے ہست برآئین کہن	دانچہ طبیعی و ریاضی ست ہمہ	ہیات ہم مقبل ہی نہی ست ہمہ
	ردی ازاں گونہ کہ افگند بروں	ہندوگاں راست ازاں پایہ فزوں	

ہمارے ہندو دوست تحریر فرماتے ہیں ؛

جہانگیر کے وقت تک بھی ہندؤں کی باتونکی طرف متوجہ ہونے سے مسلمان لوگ کافر سمجھے جاتے تھے۔

لیکن خود جہانگیر کا یہ حال تھا کہ اُس زمانے میں جو بڑے بڑے پنڈت اور سناسی موجود تھے اور جنگلوں یا کھوؤں میں زندگی بسر کرتے تھے دشوار گذار راستہ طے کرکے اُنکے پاس جاتا تھا اور نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ اُنسے ہندو مذہب کے حقائق و معارف سیکھتا تھا۔

جہانگیر کے زمانہ میں سب سے زیادہ مشہور سنیاسی اور ویدانت کا عالم **جدروپ** تھا جہانگیر جس شوق سے اس سے ملنے گیا ہی اور جس خلوص و اعتقاد سے اسکی باتیں سنی ہیں اسکا حال خود تزک جہانگیری میں لکھتا ہی۔

مکرر شنیدہ بودم کہ سنیاسی مرتاضی جدروپ نام کہ چندیں سال است کہ نزدیک بمعمورہ اجین در گوشہ صحرا از آبادانی دور متوجہ و مشغول پرستش معبود حقیقی است خواہش صحبت او بسیار داشتم وقتیکہ در دار الخلافت آگرہ بودم میخواستم کہ او را طلبیدہ ببینم غایۃ ملاحظہ تصدیع او کردہ نہ طلبیدم چوں بحوالی شہر مذکور رسیدم از کشتی برآمدہ نیم پاؤ کروہ پیادہ بہ دیدن او متوجہ گشتم "

علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد خوب ورزیدہ تا شش گھڑی بہ او صحبت داشتم سخنان خوب مذکور ساخت چنانچہ خیلے در من اثر کرد

اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہی۔

باز خاطر را بہ ملاقات گسائیں جدروپ رغبت افزود بے تکلفانہ بہ کلبۂ او شتافتہ صحبت داشتہ شد سخنان بلند و میاں آمد حق جل و علیٰ عجیب توفیقے کرامت فرمودہ فہم عالی و فطرت بلند و مدرکہ تند را با دانش خداداد جمع دل از تعلقات آزاد ساختہ پشت پا بر عالم و ما فیہا زدہ در گوشہ تجرید مستغنی و بے نیاز نشستہ روز یک شنبہ چہار دہم باز بہ ملاقات گسائیں رفتہ از وے وداع شدم بے تکلف جدائی از صحبت او بر خاطر حقیقت گزیں گرانی نمود[1]

ان الفاظ کو پڑھو اور انصاف کرو کہ کیا کسی شخص کے ساتھ اس سے زیادہ خوش اعتقادی اخلاص اور گرویدگی کا اظہار کیا جا سکتا ہی ایک ایسے باعظمت شہنشاہ کا ایک ہندو فقیر بے نوا کے پاس پاؤ کوس پیادہ چلکر جانا چھ چھ گھڑی تک اسکی خدمت میں حاضر رہنا اسکی باتوں سے کمال درجہ متاثر ہونا اسکے فضائل و کمالات اور قطع تعلقات دنیاوی پر حیرت ظاہر کرنا چلتے وقت اسکی جدائی کا سخت افسوس ہونا کیا اسی کا نام تعصب ہی؟ کیا ایک ہندو بھی کسی اپنے ہم مذہب پیشوا کیساتھ اس سے زیادہ خلوص اور عقیدت ظاہر کر سکتا ہی؟

جہانگیر کی یہ حالت جدروپ کے ساتھ مخصوص تھی وہ عموماً ہندو علما و فضلا کی صحبت پسند کرتا تھا تزک میں اس قسم کے بہت سے واقعات درج کئے ہیں ایک موقع پر لکھتا ہے۔

---

[1] حاشیہ متعلقہ صفحہ ۶ امیر خسرو کے ان اشعار پڑھنے کے بعد مضمون نگار صاحب کی اس رائے پر نظر ڈالو کہ امیر خسرو نے یہاں کی زبان پر توجہ کی تھی مگر محض زبانی طور پر ہندؤں کی کتابوں کے مطالعہ کیطرف کبھی انکا خیال نہیں ہوا نہ وہ انکی خبر رکھتے تھے یہ ہی ہمارے نامہربان بھائیوں کی تحقیقات۔

درہمیں منزل شب شبرات واقع شد جوگی بسیار جمع آمدہ بودند و لوازم این شب بہ فعل آمد و با دانایان این طائفہ صحبتہا داشتہ شد

جہانگیر کے زمانہ میں ایک سنیاسی صاحب کمال تھا جہانگیر اسکی خدمت میں بھی حاضر ہوا چنانچہ خود تزک جہانگیری میں لکھتا ہے

درکنار تال کالکریہ سنیاسی کہ از مرتاضان طائفہ ہنود اند کلبہ درویشانہ ساختہ منزوی بود چون خاطر ہموارہ بہ صحبت درویشان راغب است بی تکلف بہ ملاقات او شتافتم و زمانے ممتد صحبت او را دریافتم خالی از آگہی و معقولیت نیست و بہ آئین و رسم خود از مقدمات صوفیہ وقوف تمام دارد[1]

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ وہی جہانگیر ہے جسکی نسبت ہمارے ہندو دوست نے اسی مضمون میں لکھا ہے

جہانگیر کی توجہ اس طرف (یعنی ہندوؤں کی باتوں کی طرف) نہ تھی اپنی رام رنگی سے (شراب کا نام ہے) حضرت کو فرصت ہی کہاں تھی جو اس طرف متوجہ ہوتے

اس امر کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جہانگیر اپنے باپ کیطرح ضعیف المذہب اور سست عقیدہ نہ تھا بلکہ مذہبی باتوں میں نہایت تعصب رکھتا تھا وہ اکبر کیطرح ہندوؤں کے عقائد کا معترف نہ تھا بلکہ اُنسے مذہبی مباحثہ کیا کرتا تھا ایک مناظرہ کا ذکر خود اپنی تزک میں کیا ہے اور فخر کے لہجے میں لکھا ہے کہ ہندو آخر ساکت ہوگئے صوبہ بہار کا راجہ جس کا نام روز افزوں تھا اُسکی فیض صحبت سے اسلام لایا چنانچہ تزک میں لکھتا ہے۔

روز افزون کہ از راجہ زادہائی معتبر صوبہ بہار بود و از خردی باز بخدمت حضور قیام می نمود و او بشرف اسلام مشرف ساختہ ۔الخ

با این ہمہ اُسکی بے تعصبی کا یہ حال تھا کہ جب کسی شخص کو مرید کرتا تھا (سلاطین تیموریہ لوگوں کو مرید بھی کیا کرتے تھے اور اُنسے بیعت بھی لیتے تھے) تو اُس سے یہ اقرار لیتا تھا کہ کسی مذہب و ملت سے عداوت نہ رکھے گا چنانچہ خود لکھتا ہے۔

در وقت ارادت آوردن مریداں چند کلمہ بطریق نصیحت مذکور میگردد باید کہ وقت خود را بہ دشمنی ملتے از ملتہا تیرہ و مکدر نسازند با جمیع ارباب ملل طریق صلح کل مرعی دارند[2]

ملا مسیح اور اُنکی رامائن کے متعلق جو خیالات ہمارے ہندو دوست نے ظاہر کئے ہیں اُسکی یہ کیفیت ہے کہ بے شبہ رامائن کو قبول عام نہیں حاصل ہوا لیکن اسکی وجہ تعصب نہیں ہے مسیح ایک معمولی درجہ کا شاعر تھا اسکے کلام میں فارسیت کا مزہ بالکل نہیں اساتذۂ فن میں وہ کبھی شمار نہیں کیا گیا وہ رامائن کے بجائے اگر صحابہ کے حالات بھی لکھتا تب بھی کوئی نہ پوچھتا رامائن کو اس قدر مقبولیت بھی ہوئی تو صرف اس وجہ سے کہ ایک نیا مضمون تھا فردوسی نے شاہنامہ میں گبروں کے قصے لکھے صولت ترکستانی نے صولت فاروقی میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے فتوحات نظم کئے اور فردوسی کو گالیاں دیں کہ اس نے کافروں کے نام کو کیوں زندہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

ازین پیش شاید سخن گوی طوس — بہ دوغ سخن آتش از جوی طوس

مغ مغ نسب گبر آتش پرست — بہ بیعت بہر بو بدے دادہ دست

دلش گبر و جان گبر و گبری زبان — ز گبراں بگبری زبان قصہ خواں

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۲۳۷ مطبوعہ علی گڈہ [2] تزک جہانگیری صفحہ ۲۰)

لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ فردوسی کا شاہنامہ بچے بچے کی زبان پر ہے اور صولت فاروقی کا کوئی نام بھی نہیں جانتا
اگر مسلمانوں میں تعصب ہوتا تو نتیجہ اسکے برعکس ہوتا۔ ملا مسیح صاحب اگر خود بانی اسلام کے حالات لکھتے تب بھی مقبول ہوتے
ملا مسیح کے جو اشعار ہمارے چند دوست نے نقل کئے ہیں بے شبہ وہ تعصب سے لبریز ہیں لیکن مسلمانوں کے تعصب
کا اندازہ حضرت امیر خسرو ابو معشر فلکی ابوریحان بیرونی عبدالجلیل بلگرامی فیضی ملک محمد جائسی آزاد بلگرامی سلطان
فیروز شاہ ابراہیم عادل شاہ اکبر جہانگیر دانیال عبدالرحیم خانخاناں سے کرنا چاہیئے؟ یا بیچارے مسیح پانی پتی
اور صولت ترکستانی سے جنکو کوئی جانتا بھی نہیں۔

برج بھاشا زبان (اور) مسلمان

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک سر بر آوردہ ہندو اڈیٹر نے ایک مضمون لکھا تھا جسمیں دعوی کیا تھا کہ مسلمانوں نے
تعصب مذہبی کی وجہ سے ہندی علم ادب کو کافر کہکے پکارا اسکا جواب الندوہ کے پرچہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کے
عنوان سے لکھا گیا تھا جسمیں مسلمانوں کی ان فیاضیوں کو بتفصیل دکھایا گیا تھا جو سنسکرت اور بھاشا کی تصنیفات
کی حفاظت ترجمہ اور اشاعت کے متعلق انسے ظہور میں آئیں یہ مضمون اسی کا دوسرا حصہ ہے اسمیں یہ دکھایا ہے کہ ترجمہ اور
اشاعت کے علاوہ مسلمانوں نے خود بھاشا زبان میں کیا کیا تصنیفات کیں اور بھاشا کی شاعری میں کس درجے کا کمال پیدا کیا۔
یہ امر بھی اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے کہ سنسکرت زبان ایک مدت سے متروک ہے یعنی ایک زمانہ دراز سے خود ہندو بھی اس
زبان میں تصنیف و تالیف نہیں کرتے اور اسلام کے زمانہ سے تو غالباً کوئی کتاب اس زبان میں نہیں لکھی گئی ہندؤں کی
تصنیفات یا شاعری جو کچھ ہے بھاشا زبان میں ہے اسلئے مسلمانوں نے بھی جو کچھ لکھا اسی بھاشا زبان میں لکھا۔

عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے بھاکھا زبان میں شعر و شاعری کی وہ حضرت امیر خسرو ہیں لیکن حقیقت
یہ ہے کہ اس سلسلہ کا پتہ آگے تک چلتا ہے مسعود سعد سلمان جو سلطنت غزنویہ کا مشہور شاعر گذرا ہے اور جو حضرت امیر خسرو سے
تقریباً دو سو برس پہلے تھا اسکی نسبت تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ ہندی زبان میں بھی اس نے ایک دیوان
لکھا تھا تذکرہ مجمع الفصحا میں لکھا ہے۔

الحاصل وے را سہ دیوان بود، تازی ہندی، پارسی،

اس واقعہ سے صرف والہ داغستانی نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے ملک کی زبان میں اس قدر
کمال نہیں پیدا کر سکتا کہ اس میں شاعری کر سکے لیکن مولوی غلام علی آزاد نے اس شبہہ کو اس طرح رفع کیا کہ مسعود
سعد سلمان گو خاندان کے لحاظ سے ایرانی تھا لیکن پیدا لاہور میں ہوا تھا اسلئے ایک ہندوستانی کا ہندی میں
اس درجہ کا کمال پیدا کرنا کچھ بعید نہیں۔

حضرت امیر خسرو نے سنسکرت اور بھاکھا میں جو کمال پیدا کیا وہ محتاج اظہار نہیں ثنوی نہ سپہر میں انھوں نے خود اپنی سنسکرت دانی کا ذکر کیا ہی افسوس ہی کہ انکے بھاکھا کے خالص اشعار آج ناپید ہیں عام زبانوں پر صرف وہ اشعار ہیں جنھیں انھوں نے فارسی اور بھاکا کو پیوند دیا ہی مثلاً۔

چو شمع سوزان چو ذرہ حیران	ز مہر آن مہ بگشتم آخر ✦
نہ نیند نیناں (چشم) نہ انگ (بدن) چیناں (آرام)	نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں (خط)

اس طرز کے انکے اشعار عام طور پر مشہور ہیں اسلئے ہم انکو قلم انداز کرتے ہیں۔

امیر خسرو کے بعد شیر شاہی عہد میں ملک محمد جائسی پیدا ہوئے وہ بھاکھا زبان کے ایسے بڑے زبردست شاعر تھے کہ خود ہندوں میں آجتک کوئی انکا ہمسر پیدا ہوا، پدماوت انکی ثنوی آج موجود ہی اور گھر گھر پھیلی ہوئی ہی ہندوں میں سب سے بڑا شاعر آخر زمانہ کا کالی داس گذرا ہی جسنے رامائن کا بھاکھا میں ترجمہ کیا ہی نکتہ شناسوں کا بیان ہی کہ قدرت زبان کے لحاظ سے پدماوت کسی طرح رامائن سے کم نہیں اور اس قدر تو ہر شخص دیکھ سکتا ہی کہ پدماوت کے صفحہ کے صفحہ پڑھتے چلے جاؤ عربی فارسی کے الفاظ مطلق نہیں آتے اور یوں شاذ و نادر تو رامائن بھی ایسے الفاظ سے خالی نہیں ملاحظہ ہو۔

رام اینگ گریب نواجے (غریب نواز) ✦	لوگ بر بر بر و براجے ✦
گنی (غنی) گریب (غریب) گرام ، زناگر ✦	پنڈت موڑے ملین اجاگر ✦

ملک محمد جائسی نے پدماوت کے سوا بھاکھا میں اور بھی دو ثنویاں لکھیں جو انکے خاندان میں اب بھی موجود ہیں لیکن افسوس کہ انکے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

اکبر کے زمانہ میں ہندی زبان کو اور بھی قبول عام حاصل ہوا اور نوبت یہانتک پہونچی کہ امرا اور شاہزادے تک ہندی زبان میں شاعری کرتے تھے شہزادہ دانیال پسر اکبر شاہ کے ضمنی تذکرہ میں جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہی۔

بہ نغمہ ہندی مائل بود گاہے بزبان اہل ہند و باصطلاح ایشان شعرے میگفت بد نہ بودے۔

عبدالرحیم خانخاناں جو دربار اکبری کا گل سرسبد تھا ہندی شاعری میں کمال درجہ رکھتا تھا اسی کتاب میں خانخاناں کی وفات کے حالات میں

خانخاناں در قابلیت و استعداد یکتائے روزگار بود زبان عربی و ترکی و فارسی و ہندی می دانست و از اقسام دانش عقلی و نقلی حتی علوم ہندی بہرہ دانی داشت و بزبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتی ،،

جہانگیر کے زمانہ میں غواصی نام ایک شاعر تھا اسنے طوطی نامہ کو جو نثر میں تھا اسطرح نظم کیا کہ ایک مصرعہ فارسی اور ایک ہندی میں تھا اس سے اسکی قدرت زبان کا اندازہ ہو سکتا ہی میر حسن[1] صاحب اپنے تذکرہ شعرا میں لکھتے ہیں۔

غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ بود طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی بطور بکٹ کہانی سرسری دیدہ بودم شعر آن نظم بہ یاد نیست۔

[1] میر حسن (مصنف بدر منیر) کا تذکرہ شعرا ہمارے کتب خانے میں موجود ہے

اسی زمانہ میں ملا نوری ایک بزرگ تھے جو قصبہ اعظم پور کے قاضی زادوں میں تھے اور فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے لیکن کبھی کبھی ہندی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے ریختہ یعنی اُردو زبان کی ترکیبیں بھی اُنکے کلام میں پائی جاتی ہیں چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے،

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد
بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

اکبری اور جہانگیری دور میں سب سے زیادہ جسنے اس فن میں نام پیدا کیا وہ شیخ شاہ محمد بن شیخ معروف فرملی تھے یہ بلگرام کے رہنے والے تھے اور حصار کی حکومت پر ممتاز تھے ایک دفعہ سفر میں ایک ہندو لڑکی کی حاضر جوابی اُنکو بہت پسند آئی اُسکو ساتھ لائے اور تربیت کی چنانچہ اُنکے اکثر دوہے اور کبت اسی کیساتھ سوال وجواب میں ہیں۔ ایک دفعہ سفر سے واپس آئے اُسنے اُنکو مدت کے بعد دیکھا تو جوش محبت سے اُسکی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اُنھوں نے کہا

کُم درگ دہری سنار * ہم آیو بہایو نہیں۔ (کیوں تیری آنکھ آبدیدہ ہوئی اے نازنین کیا میرا آنا پسند نہیں ہوا)

اس نے برجستہ کہا،

لیکھن نین پکھار * لمن ہتی تو کو درس بن (آنکھ صاف کرنا۔ گرد آلود تیرے دیدار کے بغیر)

یعنی چونکہ میری آنکھیں تمہاری جدائی میں گرد آلود ہو رہی تھیں اسلئے میں نے اُنکو آنسوؤں سے دھولیا،

شیخ محمد کے اشعار نہایت کثرت سے سرو آزاد کے دوسرے حصہ میں نقل کئے ہیں

یہ بات جتا دینے کے قابل ہے کہ مولوی غلام علی آزاد نے سرو آزاد جو تذکرہ لکھا اسکے دو حصے کئے ایک فارسی شعراء کے ذکر میں اور دوسرا ہندی یعنی بھاشا کہنے والونکے حالات میں اس دوسرے حصہ کی تمہید میں لکھتے ہیں،

فصل ثانی در ذکر قافیہ سنجان ہندی جزاہم اللہ بجائزۃ الخیر امن ہیچداں بازبان عربی وفارسی وہندی آشنایم واز ہر سہ میکدہ بقدر حوصلہ قدحے می پیمایم مشق سخن ہندی ہر چند اتفاق نیفتاد اما سامعہ را از نوائے طوطیان شہد خطی وافر ہست وذائقہ را از چاشنی شکر فروشاں این گل زمین نصیبی متکاثر افسوں خوانان ہند ہم دریں وادی پائے کمی ندارند بلکہ در فن نائیکا بید قدم سحر سازی پیش می گذارند موزوناں زبان ہندی در بلگرام فراواں جلوہ نمود اند لہذا فصل این جماعہ علیحدہ بہ تحریر رسید وشمامہ معطری بدست بوشناساں حوالہ گردید،

تیموری سلاطین بھاشا زبانکی شاعری کی اسیطرح قدر دانی کرتے تھے جسطرح وہ اپنی شاہی زبان (فارسی) کے قدر دان تھے اور یہ بہت اُنکا بڑا سبب تھا کہ ہندی بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی راجہ سورج سنگہ نے جب ایک ہندو شاعر کو جہانگیر کے دربار میں پیش کیا اور اسنے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی تو جہانگیر نے ایک ہاتھی انعام میں دیا چنانچہ خود تزک[1] میں لکھتا ہے

این تازگی مضمون از شعرائے ہند کم بگوش رسیدہ بہ جلدوی ایں توجیہ بہ او مرحمت کردم،

پھر اس حصہ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ

به اقتضائے ترتیبی کردین تالیف اختیار افتاد و ختم کتاب نظم ہندی درست بهم داده چه مضائقه بعض از الفاظ ہندی جزو فرقان عظیم

سرو آزاد کا یہ حصہ ہمارے دوست نواب نور الحسن خاں خلف اکبر جناب نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنے تذکرہ طور کلیم میں تمامہ شامل کر لیا ہے چنانچہ فروغ دوم میں جہاں سے ہندی شعرا کا تذکرہ ہے عبارت تمہیدی بھی وہی سرو آزاد کی ہے میں اس مضمون میں بلگرامی شعرائے بھاکھا کا جو تذکرہ لکھونگا اور انکے اشعار نقل کرونگا وہ طور کلیم سے منقول ہونگے لیکن طور کلیم کا یہ حصہ در اصل سرو آزاد ہے طور کلیم چھپ گیا ہے اور ہر جگہ ملتا ہے اسلئے وہ ناظرین کو بہ آسانی ہاتھ آسکتا ہے ورنہ خود سرو آزاد میرے پاس ہے۔

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا،،

گر پسر داشتی جہاں افروز — شب نہ گشتے ہمیشہ بودے روز
زاں کہ چوں او نہفتے سر زر — بہ نمودے کلاہ گوشہ پسر
شکر کز بعد او چناں پدرے — جانشیں گشت این چنیں پسرے
کہ ز شنقار گشتن آں شاہ — کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا تو اسکا بیٹا اسکے بجائے عالم افروزی کرتا خدا کا شکر ہے کہ آپکے والد (اکبر شاہ) کو خدا نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگوں نے انکی انتقال کا غم نہ کیا۔

ہندی تصنیفات کے ساتھ مسلمانوں کی توجہ کی یہ نوبت پہونچی کہ لوگ ہندی کی مشہور کتابوں کو زبانی یاد کرتے تھے امین احمد رازی تذکرہ ہفت اقلیم میں میر ہاشم محترم کے حال میں لکھتے ہیں۔

امروز در ہندوستان تمام کتاب مہابھارت را که مجمع اسامی غریبه و حکایات عجیب است در ذکر دارد،،

اس مسئلہ میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عالمگیر کو نہایت متعصب کہا جاتا ہے اور عام خیال یہ ہے کہ وہ ہندوؤں کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا لیکن مسلمانوں نے بھاشا زبان پر جسقدر اسکے زمانہ میں توجہ کی پہلے کبھی نہیں کی تھی ضمیر ایران کا ایک مشہور شاعر تھا وہ عالمگیر کے زمانہ میں ایران سے آیا اور شاہی منصب داروں میں مقرر ہوا اسنے بھاشا زبان میں انتہا درجہ کا کمال پیدا کیا اگرچہ بھاشا و سنسکرت کے الفاظ کا وہ صحیح تلفظ نہیں ادا کر سکتا تھا تاہم اسمیں نہایت برجستہ شعر کہتا تھا ہندی میں اسکا تخلص پنچھی تھا پارجاتک جو موسیقی میں ہندی زبان کی مشہور کتاب ہے اسکا ترجمہ اسی نے فارسی زبان میں کیا مولوی غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا میں اسکے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں،،

در عہد عالمگیر بادشاہ از ولایت ایران به ہند آمده و در سلک منصبداران شاہی انتظام داشت و یادبود آنکه به ہند آمده زبان این ولایت آموخت ابالواسطه حدت ذہن در نظم ہندی طبع او آن قدر دخل شد که از جمله استادان این فن بر آمد با نقش به تلفظ این زبان خوب نمیگردید اما نظم بسیار پخته واقع میشد و در ہندی پنچھی تخلص میکرد ترجمه پارجاتک در فن تصنیفات ہندی ازو

عالمگیر ہی کے متوسلین میں ایک اور شاعر دانا تخلص تھا اسکی نسبت مولوی غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا میں لکھتے ہیں

"نظم ہندی بسیار خوب گفتہ"

بھاشا کی زباندانی اور شاعری کا ذوق اس زمانہ میں اسقدر عام ہوا کہ بڑے بڑے علما اور حضرات صوفیہ اس میں کمال پیدا کرتے تھے شیخ غلام مصطفےٰ متخلص بہ انسان بہت بڑے پایہ کے شخص گذرے ہیں وہ قوم کے کمبوہ اور مرادآباد کے رہنے والے تھے معقولات کی تحصیل حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی (جد مولانا بحر العلوم) کی خدمت میں کی حدیث کا فن محدث دہلوی کے خاندان سے حاصل کیا تصوف میں شیخ جان محمد شاہجہاں آبادی کے مرید تھے طب نجوم خوشنویسی فن جنگ ان تمام چیزوں میں کمال رکھتے تھے عالمگیر کے زمانہ میں منصب داری کے عہدہ پر مامور ہوکے دکن گئے لیکن چند روز کے بعد استعفا دیکر چلے آئے ۱۱۴۲ھ میں بمقام ایلچپور وفات پائی۔

ہندی زبان اور بھاشا کی شاعری میں انکا جو درجہ تھا اسکا اندازہ مولوی غلام علی آزاد کی عبارت ذیل سے ہو سکتا ہے

علم ہندی بیشتے کر اکثر براہمہ بہمن حل غوامض از خدمت شیخ میکردند شعر ہندی نیز خوب میگفت صنادید شعرائے ہندی در حضور او سر فرود می آوردند و اصلاح کبت و دوہہ میگرفتہ" (سرو آزاد)

عبدالجلیل بلگرامی مولوی غلام علی آزاد کے نانا جو عالمگیر کے درباری تھے ہندی زبان کے ممتاز شاعر تھے فارسی قصیدوں میں بھی کہیں کہیں بھاشا بول جاتے ہیں چنانچہ ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

آسیس دیکے کہے ہندوی میں بول ست — رہیے جگت میں اچل باس یہ ذیر سدا

یہ ذوق اسقدر ترقی کرتا گیا کہ محمد شاہ کے زمانہ میں جب راجہ جے سنگھ والی جے پور نے بیس لاکھ کے صرف سے رصد خانہ قائم کیا اور فن ریاضی کے ساتھ نہایت اہتمام کیا تو علمائے اسلام نے اسکے حکم سے شرح چغمنی اور ہیئت کی اور کتابوں کا ترجمہ بھاشا زبان میں کیا چنانچہ آزاد سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں۔

"وقد نقل العلماء الاماثل بامر جی سنگہ شرح الچغمنی وغیرہ من کتب الہیئۃ والہندسۃ من العربیۃ الی الہندیۃ (سبحۃ المرجان صفحہ ۱۳۵) جو علم ہیئت اور ہندسہ میں تھیں عربی زبان سے ہندی زبان میں ترجمہ کیا" ہندوستان کے علماء نے جے سنگھ کے حکم سے شرح چغمنی وغیرہ کتابوں کا

شرح چغمنی اس درجہ کی مشکل کتاب ہے کہ اردو میں اسکا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ جو علما بھاشا زبان میں اسکا ترجمہ کر سکے انکی بھاشا دانی کا کیا رتبہ ہوگا۔ اسی زمانہ میں سید نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت اور بھاشا کے علم ادب میں نہایت شہرت حاصل کی سنسکرت کے حاصل کرنیکے لئے بنارس کا سفر کیا اور وہاں رہکر اس علم کی تکمیل کی ہندی موسیقی میں اس درجہ کا کمال پیدا کیا کہ لوگ انکو نایک کہتے تھے چنانچہ اس فن کے متعلق بھاشا میں دو کتابیں تصنیف کیں ناد چندرکا اور مدھنایک سنگیت۔ بھاشا میں مدھنایک تخلص کرتے تھے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی کلام

جو — تیر اُن چیت چیڈھے ما نہ بڈھے بدہ بیدن گرنتھہ نہ گاتھ — فرشتہ ملا ترکیب صور عقلا کتب آسمانی قدیم کتابیں

بہار بکھی ناجھوری کبھی ہر میں ناجپ ناجوگ گن ناجوگ گیان گاتھا — گویائی تھانی ریاضت مرتاض

جو کھہ جوت جگی، نہ تھکی بدھنیا یک، گھونگھٹ چنچل تائے

چہرہ روشنی نام شاعر شوخی

جھنیں، دوکول، سپچے، جھلکی، ابچھہ، براجت، اچھہ، رچھائے،

باریک دوپٹہ زیب دینا بے مثل فریفتہ کرنا

مطلب یہ ہی کہ تیری آنکھیں نقاب کے اندر جسقدر خوش نما ہیں، اسکی خوبی فرشتوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتی اور نہ آسمان کی کتابوں میں انکی توصیف پائی جاتی ہے۔

قوت نطق خود محو حیرت ہی اور زاہد مرتاض، سبحہ گردانی سے بھی زیادہ اس کا مداح ہے۔ نقاب ان آنکھونکی خوبی کو چھپا نہیں سکتی بلکہ باریک دوپٹہ اسکی خوبی اور بھی دوبالا کر دیتا ہی انکا اور بہت سا کلام سرو آزاد میں نقل کیا ہی لیکن چونکہ ناظرین کیلئے وہ نامانوس صدا ہوگی اس لئے ہم اسکو قلم انداز کرتے ہیں،

پسر رحمت اللہ پسر سید خیر الدین بلگرامی، بھاشا زبان کے مشہور اُستاد تھے سلطنت کی طرف سے دو صدی منصب اور جاگیر مقرر تھی اس زمانے میں بھاشا کا مشہور شاعر چنتامن ایک ہندو تھا اسکا ایک شاگرد رحمت اللہ کا شہرہ سنکر انکی خدمت میں حاضر ہوا، اور چنتامن کا دوہہ اُنکے سامنے پڑھا۔

ہیو ہرت ارکرت ات چنتامن چت چین   وامرگ نینی کی لکھی واہی کے سے نین

سید رحمت اللہ نے اس دوہہ میں غلطی نکالی اور چنتامن نے سُنا تو غلطی تسلیم کر کے اسکی اصلاح کر دی چنتامن نے سید رحمت اللہ کی مدح میں ایک دوہہ بھی لکھا جسکا مطلع یہ ہے۔

گرب، گھہ، سنگ، جیون، سبل، گل گاج من ببرل گنج بلج دل، سلج، دھایو،

غرور شیر بطور قومی اظہار دلیری زبردست، ہاتھی، گھوڑا، فوج آراستہ حملہ

بجت اک جمک، گھن کھمک دند بھن کی، ترنگ کھر، دھمک بھوتل ہلایو،

ایک طرح پر گردوں شگاف نقارہ گھوڑے کا سم زمین

سید رحمت اللہ نے ۱۳ ربیع الثانی ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی انکی بہت سے دوہے سرو آزاد میں نقل کئی ہیں ہم صرف ایک پر اکتفا کرتے ہیں

کرا جائے جمہائے تیہ دھاری بھج یہ بھلائے   منو چپلا دوی چچک ہوے گری بھوم پہ آئے

ہاتھہ بلند کرنا، انگڑائی بازو خوش نما معلوم ہوئے گویا بجلی زمین

یعنی محبوب نے جمائی لیتے ہوئے جب دونوں ہاتھہ اٹھا کر نیچے کرلئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا دو بجلیاں چمک کر زمین پہ گر پڑیں

سید غلام نبی پسر سید محمد باقر سید عبد الجلیل بلگرامی کے بھانجے تھے، ۲ محرم ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے سید عبد الجلیل اس زمانے میں عالمگیر کے ساتھہ دکن کی مہم پر تھے بھانجے کے پیدا ہونیکی خبر سنی تو سال تاریخ کی

فکر ہوئی اسی حالت میں سو گئے اور خواب میں یہ مادہ ہاتھ آیا ع نور چشم باقر عبدالحمید۔

تفاؤل کے طور پر پیشین گوئی کی کہ یہ لڑکا شاعر ہوگا خدا کی قدرت پیشین گوئی صحیح اتری، اگرچہ عربی و فارسی میں بھی مہارت رکھتے تھے لیکن بھاشا کی شاعری میں نہایت کمال پیدا کیا ۱۱۶۳ھ میں نواب وزیر اور افاغنہ کی لڑائی میں نواب کے ہمرکاب تھے اور عین معرکہ جنگ میں مارے گئے مولوی غلام علی آزاد سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا چنانچہ آزاد نے تاریخ کہی ع رقم کردہ ہے ہے غلام نبی۔

بھاشا زبان میں ایک دیوان لکھا جسمیں ،، ا دوہے ہیں اسکا نام انگ درپن رکھا، بھاشا میں آنکا تخلص درس لین ہے درس کے معنی بھاشا میں دیدار کے ہیں اور لین کے معنے محو کے ہیں درس لین کا لفظی ترجمہ محو دیدار ہے۔

(توحید) تیری منور تجھ کو ہوت ہے سین لوک تون ہی ہوئی، اکاش، کرت نکھت اورت ہے

مطلب اشارہ دنیا آسمان ستارہ روشنی

(توحید) تون ہی چار د تتو سیل ترپس پنچھی، ہوت تون ہی میگھ بوجی کوت اور اکوت ہے۔

اربعہ عناصر، پہاڑ، درخت چرند، پرند بادل دیتا ہے حساب بے حساب

تون ہی بن ناری بھرتا کی رسلیں، ہوت تون ہی ہوئی کی، ستر بیپ میں تین لوت ہے

عورت شوہر محو دشمن

جاگ پڑے ین جھو نٹوں جیون سین لوگ ہوت تیو نہیں آتما بچاری لوگ جاگت کو ہوت ہے

بیداری خواب روح

یعنی تیرے ہی اشارے سے دنیا پیدا ہوتی ہے تو ہی آسمان بنکر ستاروں کو روشن کرتا ہے تو ہی اربعہ عناصر اور پہاڑ درخت چرند اور پرند بنجاتا ہے تو ہی بادل بنکر بے حساب بارش کرتا ہے تو ہی عورت کے قالب میں آ کر مرد کا راحت رسان ہے تو ہی بالآخر موت کی صورت میں جانکا دشمن ہے جسطرح کہ جاگنے کے بعد خواب بالکل وہم معلوم ہوتا ہے اسیطرح خدا شناسوں کے نزدیک دنیا تمامتر خواب ہے

سید برکت اللہ بہت بڑے فقیہہ تھے بھاشا میں شعر کہتے تھے اور پیمی تخلص کرتے تھے بھاشا میں انکی نظموں کا مجموعہ ہے اسکا نام خود پیمی پرکاس رکھا تھا سرو آزاد میں انکا بہت سا کلام نقل کیا ہے ہم صرف ایک دوہے پر اکتفا کرتے ہیں

چکھ جوگی کنتھا گرین ارن سیام اور سیت انسو بوند سیمرن لین درسن بھچا ہیت

آنکھ گلا سرخ سیاہ سفید قطرہ تسبیح دیدار حیران

یعنی آنکھیں ایک ریاضت کش جوگی ہیں جو سرخ سیاہ اور سفید دانوں کا مالا پہنے ہوئے ہوا در آنسوؤں کی تسبیح لئے ہوئے دیدار کی بھیک کی طالب ہیں

ان بزرگوں کے سوا اور بہت سے اہل کمال گذرے ہیں، جنھوں نے بھاشا زبان کی انشا پردازی اور شاعری میں ناموری حاصل کی اور جنکے حالات مختلف تذکروں میں مل سکتے ہیں کیا ان واقعات کے بعد بھی ہمارے ہندو دوستوں کا یہ سمان،

قابل تسلیم ہی کہ مسلمانوں نے کبھی ہندو لٹریچر پر توجہ نہیں کی اور جو کرنا چاہتا تھا وہ کافر قرار پاتا تھا ہاں یہ ہندو دوستوں کو
یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں سے زیادہ بے تعصب قوم نہ صرف دنیا کی پچھلی تاریخ بلکہ موجودہ اور آئندہ زمانہ بھی قیامت تک نہ پیش کر سکیگا

موبدان مجوس

(ہندوستان میں)

مسلمانوں کا تاریخی سرمایہ جو بہت کچھ مفقود ہو چکا ہی اور ہوتا جاتا ہی اسکے علاوہ اور بہت سے نقصانات کے سب سے بڑا
یہ نقصان پہونچایا کہ خود مذہب اسلام کے متعلق دنیا کو عجیب عجیب غلطیاں اور بدگمانیاں پیدا ہو گئیں اور ہوتی جاتی
ہیں یہاں تک کہ اب خود مسلمان بھی ان غلطیوں سے بچ نہیں سکتے اور وہ بھی مذہب کی حقیقت وہی سمجھتے ہیں جو بات
انکے مفقود ہونے نے کئی سو برس سے قائم کر دی ہے۔
اہل یورپ کا خاصہ ہی کہ دو ہم زمان واقعہ کو عموماً علت و معلول فرض کر لیتے ہیں مثلاً جب تاریخ سے بظاہر یہ
معلوم ہوتا ہی کہ اسلام کے بعد ایرانیوں کا لٹریچر برباد ہو گیا تو وہ قطعی طور سے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ اسلام ہی کی طرز عمل کا نتیجہ تھا۔
اسی طرح جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی کسی اسلامی تاریخ میں پارسی قوم کے معابد کا پیشوایان مذہبی کا۔
تصنیفات کا تعلیم و تلقین کا پتہ نہیں چلتا تو انکو یقین ہو جاتا ہی کہ سلاطین ہندوستان نے تعصب کی وجہ سے یا تو سر
سے انکے ملک میں گھسنے نہ دیا یا ایسی حالت میں رکھا کہ انکی کوئی امتیازی حیثیت قائم نہ رہی جس سے انکے متعلق
کسی قسم کی کوئی اطلاع حاصل ہو سکتی۔
لیکن اصل حقیقت یہ ہی کہ یہ جو کچھ ہے تاریخی کم مائگی کا ثبوت ہی ہم اس مضمون میں پارسیوں کے پیشوایان مذہبی
(جنکو موبد کہتے ہیں) کا مختصر حال لکھنا چاہتے ہیں جو ہندوستان میں سکونت رکھتے تھے اور جنکی تصنیفات و تالیفات
وسعت کیساتھ اہل علم میں پھیلی ہوئی تھیں اور چونکہ انکے یہ حالات اسلامی ہی تصنیفات سے لئے گئے ہیں اسلئے
اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے لٹریچر اور تاریخ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔
سلطنت تیموریہ میں سب سے پہلے اکبر کے زمانہ میں موبدوں کا پتہ چلتا ہی، اکبر نے جس زمانے میں مذہبی کانفرس قائم
کی اور ہر مذہب و ملت کے پیشوا دور دور سے بلائے تو ایران سے بھی خط و کتابت کی اس زمانہ میں پارسیوں کا پیشوا آذر
کیوان تھا اسنے آنیمیں معذرت کی لیکن ایک عجیب و غریب کتاب اپنی تصنیف بھیجی جسکی نسبت صاحب ماثر الامرا لکھتے ہیں
نامہ از مؤلفات خود کہ مشعر ستائش نیّر و اثبات ذکر کواکب و متضمن نصائح و حکم بود فرستاد مشتمل بر چہاردہ جزو ہر سطر ش پارسی
بحت بود و تصحیف آن عربی و چون قلب سازی گردند ترکی و بازمصحف آن ہندی میشد[1]
یعنی اس کتاب میں ہر سطر خالص فارسی میں تھی لیکن اگر انکے حروف کو الٹ پلٹ کر پڑھو تو عربی ہو جاتی تھی اور
[illegible] ہو جاتی تھی۔[2]

اگرچہ اس ناممکن صنعت پر ہم یقین نہیں کر سکتے لیکن اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں کہ آذر کیوان نے اپنی کوئی تصنیف ضرور بھیجی تھی۔

آذر کیوان نے تو آنے سے انکار کیا، لیکن ایک دوسرا موبد جس کا نام آردشیر تھا حسب طلب آیا اور اپنے ساتھ مذہبی آتشکدہ کی آگ بھی لیتا آیا، چنانچہ اسکی حفاظت اور اہتمام شیخ ابو الفضل کے سپرد کیا گیا یہ مآثر الامرا کی روایت ہی لیکن دبستان مذاہب کے مصنف نے صاف تصریح کی ہی کہ آذر کیوان ہندوستان میں آیا، اور عظیم آباد پٹنہ میں سکونت کی اور ۱۰۲۷ھ میں ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ممکن ہی کہ یہ آذر کیوان وہ نہ ہو جس کا ذکر مآثر الامرا میں ہی بلکہ کسی اور موبد کا نام ہو بہر حال یہ آذر کیوان اسفندیار کے خاندان سے تھا۔ دبستان میں اسکا پورا شجرہ نسب لکھا ہی بچپن ہی سے وہ مرتاض اور گوشہ نشین تھا ۱۸ برس خم میں بیٹھا علوم و فنون میں وہ کمال حاصل کیا کہ لوگ اسکو ذو العلوم کے لقب سے پکارتے تھے عربی زبان کا بھی ماہر تھا، فقہا اور صوفیہ اس سے ملتے رہتے تھے اور انسے پر لطف صحبتیں رہتی تھیں ایک دن کسی فقیہ نے پوچھا کہ آپ جانوروں کے مارنے سے کیوں منع کرتے ہیں بولا کہ جو لوگ کعبہ کا احرام باندھتے ہیں انکو جانوروں کا مارنا حرام ہی دل بھی کعبہ ہی اس لئے جو لوگ اسکا احرام باندھتے ہیں اُن کو جانوروں کا مارنا کیونکر جائز ہو سکتا ہی۔

ایک دن ایک شخص نے آذر کیوان سے کہا کہ میں سوداگر تھا رہزنوں کے ہاتھ سے تنگ آکر درویشی اختیار کی آذر کیوان نے کہا کہ اب تم خود رہزنی کروگے،

آذر کیوان کی تصنیفات سے جام کیخسرو کا ذکر دبستان میں کیا ہی اور اسکے اشعار بھی نقل کئے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

چو ز ابد انہا برگذشتم روان ۔۔۔ رسیدم سوے پاک فرخ روان
بدانستم از بود نہا ہمہ ۔۔۔ شدم با سر دفش بزرگ رمہ
درو چوں بسے برتری یافتم ۔۔۔ فروغے ز یزداں ہمے تافتم
چو بفزود پرتو برفت این منے ۔۔۔ سروشے تبا بیدا ہر سنے
خدا بود و از من نشانے نبود ۔۔۔ فراموش و یاد روانے نبود
ہمہ راز خود سایہ سے یافتم ۔۔۔ بہ ہوش سروشاں ہمے تافتم
زخوشاں ہمے تافتم بر رواں ۔۔۔ چنیں تا بہ اندام ہا نیز خواں
توانا دوانا و والا بدم ✦ ۔۔۔ چنیں تا ازاں پایہ زیر آمدم ✦

حاشیہ متعلق صفحہ ۶ یہ مضمون زیادہ تر بلکہ قریباً کل دبستان مذاہب سے لیا گیا ہی اس کتاب کی نسبت مشہور ہی کہ محسن فانی کشمیری کی تصنیف ہی بعض اسکو دارا شکوہ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہی کہ ذو الفقار اردستانی کی تصنیف ہی جیسا کہ مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۱۰۹۲ میں مذکور ہی سب سے پہلے یہ کتاب بمبئی میں ۱۲۶۲ھ میں چھاپی گئی اسکے بعد اور بہت سے مطابع میں چھپی۔

بدان ره که رفتم شدم موی تن — بصد ایزدی فره زان انجمن
خداوند را پایه زان برترست — که آمیزشش بنده را درخورست
ز دریای هستیش گیتی نمے — نم هم بگو چیست بودش همے
ز مهر او نوازش کند بنده را — که برداشتن شاید افگنده را
گدا را تونگر کند مهر او — جهان پرتوے از خود چهر او
مراو را جز او کس نیارد ستود — که او در نیاید بگفت و شنود

آذر کیوان کے تلامذہ کثرت سے تھے ان میں سے چند ممتاز شاگرد جن سے صاحب دبستان نے ملاقات کی تھی اور اُنکی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا اُنکے نام اور مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

خراد اسکا مورث اعلیٰ نوشیرواں کی خواں سالاری کا منصب رکھتا تھا۔ خراد نے شیراز میں آذر کیواں کی شاگردی اختیار کی اور ایک مدت تک سخت ریاضتیں اٹھائیں ۱۰۲۹ھ میں انتقال کیا۔

فرشید ورد یہ بھی شیراز میں آذر کیوان کے فیض سے مستفید ہوا اور ہندوستان میں ۱۰۲۹ھ میں وفات پائی۔

خردمند سام نریمان کے خاندان سے تھا مصنف دبستان پٹنہ میں ان بزرگوں سے ملا تھا چنانچہ خود لکھتا ہے کہ گرد آورندۂ نامہ در پٹنہ این چہار آزادہ یعنی خراد و فرشید ورد و بہمن و خردمند را دید و دعائے خیر درباره نامہ نگار بجائے آوروند۔

بہرام ابن فرہاد گودرز کے خاندان سے تھا آذر کیوان جس زمانے میں پٹنہ میں تھا بہرام شیراز سے چلکر پٹنہ میں آیا اور تکمیل نفس میں بڑی تکلیفیں اُٹھائیں اسنے فلسفہ کی تمام شاخوں میں کمال حاصل کیا اور ان فنون میں عربی، پہلوی اور فارسی زبانوں کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کی تھی، عربی فلسفہ کی کتابیں خواجہ جمال الدین محمود سے جو علامہ دوانی کے شاگرد تھے پڑھی تھیں تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتا تھا ۱۰۳۴ھ میں بمقام لاہور وفات پائی۔

بہرام کی تصنیفات میں سے تین کتابیں زیادہ مشہور ہیں شارستان دانش گلستان بینش، شارستان۔

مصنف دبستان نے پارسیوں کے عقائد و خیالات اکثر انھیں کتابوں سے لئے ہیں۔

ہوشیار سورت میں پیدا ہوا رستم کے خاندان سے تھا نہایت راست باز دلیر صاحب تدبیر و منصفہ فہم تھا آذر کیوان کی صحبت اُٹھائی تھی ایک ایک پہر تک حبس نفس کر سکتا تھا کھانے پینے میں کسی چیز سے پرہیز نہیں تھا ۱۰۵۰ھ میں بمقام آگرہ وفات پائی **مرد ستان** اسکی تصنیف ہے۔

موبد سروش زردشت کی نسل سے تھا، عربی اور فارسی کے ساتھ ہندی زبان بھی جانتا تھا، عربی بہرام بن فرہاد سے حاصل کی تھی تمام عمر شادی نہیں کی گوشت بھی نہیں کھاتا تھا اسکی تصنیفات کثرت سے ہیں مثلاً نوش، دارو، سابتگہ، زردشت افشار وغیرہ محمد محسن ایک فاضل کا بیان ہے کہ میں نے خدا کے ثبوت میں ۲۲

دلیلیں اسکی زبان سے سنیں لیکن قلمبند کرنا چاہا تو نہ کر سکا اکثر خوارق عادات اس سے صادر ہوتے تھے مصنف دبستان نے سنہ ۱۰۳۳ھ میں اس سے بمقام کشمیر ملاقات حاصل کی تھی

خدا جوئی ہرات کا باشندہ تھا مدت تک جویائے حق رہا۔ آخر خواب میں ہدایت ہوئی کہ آذر کیواں سے فیض حاصل ہوگا چنانچہ موبد خوشی کے ساتھ اصطخر گیا آذر کیواں کے حلقہ میں شامل ہوا عربی اور فارسی زبان میں مہارت کامل رکھتا تھا اکثر چپ رہتا تھا اور لوگوں کے اصرار سے گفتگو کرتا تھا آذر کیوان کی مشہور کتاب جام کیخسرو کی شرح لکھی سنہ ۱۰۴۰ھ میں بمقام کشمیر وفات پائی مصنف دبستان نے یہیں اس سے ملاقات حاصل کی تھی۔

موبد خوشی ایک مدت تک حق کی تلاش میں تمام دنیا میں پھرتا رہا آخر آذر کیواں کی خدمت میں پہونچا اور اس سے مقامات سلوک تحصیل کئے اسکی تصنیفات سے زردست افشار ایک مفید کتاب ہے جس میں اسنے آذر کیواں کے بارہ شاگردوں کے حالات اور واقعات لکھے ہیں ان شاگردوں کے یہ نام ہیں آردشیر خراد شیرویہ خردمند فرہاد سہراب ازادہ شیرین اسفندیار فرشید ورد۔ بہمن رستم مصنف دبستان نے آذر کیواں کے شاگردوں کے حالات زیادہ تر اسی کتاب سے لکھے ہیں

بہرام بن فرشاد ارژنگ مانی اسکی تصنیف ہے آذر کیواں کا شاگرد تھا۔ لیکن تکمیل بہرام کی خدمت میں کی سنہ ۱۰۴۸ھ میں بمقام لاہور وفات پائی شیخ شہاب الدین مقتول شہروردی کی تصنیفات جو فلسفہ اشراق کے متعلق تھیں انکا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا ایک عجیب بات یہ ہے کہ عربی فارسی اور ہندی کے علاوہ یورپ کی بعض زبانیں بھی جانتا تھا اکثر کتابت کا شغل رکھتا تھا اور نہایت قلیل الغذا تھا۔ مصنف دبستان کا بیان ہے کہ میں نے سنہ ۱۰۴۸ھ میں اسکو لاہور میں دیکھا تھا ایک رات دن متصل دوزانو ایک مقام پر بیٹھا رہا اور ذرا جنبش نہ کی۔

موبد پرستار شیراز میں پیدا ہوا بچپن میں آذر کیواں کی صحبت اٹھائی اور زیادہ تر فیض موبد سروش سے حاصل کیا پھر موبدی اسکی

شیدوش ابن انوش زردشت کے خاندان سے تھا اسکا باپ آذر کیواں کا تربیت یافتہ تھا نہایت خوش لباس تھا اور بڑی کروفر سے زندگی بسر کرتا تھا خوبرو اور وجیہ تھا سنہ ۱۰۴۳ھ میں کشمیر میں بیمار ہوا اور یہیں وفات پائی نزع کی حالت میں حضرت نوربخش کے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے ؎ یکے قطرہ ام از محیط وجود + اگرچند دایم کشف وسجود + من از قطرگی گشتہ ام بس نفور + خدایا رسانم بہ دریای نور + اخیر شعر پر دم نکل گیا۔

مصنف دبستان نے اس کا مرثیہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہیں۔

شیدوش تا ز دیدہ من برکرانہ شد	گر چشم خانہ بود بہ سر رود خانہ شد
آرام گاہ طائر قدسی سپہر بود +	زیں پست آشیان بہ فراز آشیانہ شد
جانش بہ ذات حضرت جان آفریں رسید	بیروں ز قید چرخ و زمین و زمانہ شد

یہ تھا موبدوں کا ذکر ہوا آذر کیواں کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے مصنف دبستان نے اور موبدوں کے نام

بھی لکھے ہیں جنے انکو قلم انداز کیا۔

مسلمانوں کی بے تعصبی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ بہت سے مسلمان فضلانے آذر کیوان کی شاگردی اختیار کی اور چونکہ وہ موحد اور صوفی تھا سلسلۂ سلوک کے مقامات اس سے طے کیئے انمیں محمد علی شیرازی محمد سعید اصفہانی عاشور بیگ محمود بیگ کا حال مصنف دبستان نے تفصیل سے لکھا ہی لوگو نکو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ شیخ بہاء الدین عاملی نے بھی آذر کیوان کی صحبت سے فیض اُٹھایا ہے۔

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نداشت ، دانہ می چیدم من آن روزی کہ خرمن داشتم

المعتزلہ والاعتزال

اسلام کے اُن بہت سے فرقوں میں جنکی تعداد کو ایک پیشین گوئی کے پورا کرنیکے لیئے (۷۳) تک پہونچایا گیا ہے۔ صرف چار فرقے ہیں جنکو زیادہ تر کامیابی ہوئی اور جو مدت تک موجود رہے۔ یعنی سنی شیعہ معتزلہ باطینہ انمیں سے دو آخر الذکر آجکل بالکل معدوم ہیں، معتزلہ اگرچہ دنیا سے ناپید ہوگئے لیکن ایک مدت تک انکو بہت عروج رہا بڑے بڑے نامور مصنفین انمیں پیدا ہوئے مشہور خلفا اور سلاطین نے فخریہ اس لقب کو اختیار کیا متعدد علوم اسی فرقہ کی بدولت عالم وجود میں آئے غرض وہ خود اگرچہ دنیا میں نہیں رہے لیکن مذہبی علم میں تصنیف میں لٹریچر میں انکی بہت سی یادگاریں اب بھی موجود ہیں اور زمانہ انکو آیندہ بھی مٹا نہیں سکتا البتہ یہ افسوس ہی کہ انکے مٹنے کیساتھ انکی تاریخ بھی مٹتی جاتی ہی اور ایک ایسے مشہور فرقے کے واقعات کا معدوم ہوجانا تاریخی دنیا کا بہت بڑا افسوسناک حادثہ کہا جا سکتا ہی اس لحاظ سے خیال ہوا کہ معتزلہ کے متعلق ایک مختصر سا مضمون جسمیں مذہب اعتزال کی ابتدا اور اسکی اشاعت، عہد بعہد کی ترقیاں ترقی و تنزل کے اسباب مشہور معتزلیوں کے مختصر حالات اعتزال کے مسائل اور ان پر یا دوسرے فرقوں پر اس مذہب کا اثر یہ اور اس قسم کے امور لکھے جائیں اس مضمون کا یہ پہلا ٹکڑا ہی جسمیں اعتزال کی اجمالی تاریخ ہی۔

اعتزال اگرچہ اور مذاہب کی طرح صحابہ کے اخیر زمانہ میں پیدا ہوا لیکن اسکے ابتدائی آثار عین شروع اسلام میں موجود تھے حقیقت یہ ہی کہ ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی نسبت خصوصیت کیساتھ یہ کہنا کہ وہ فلاں زمانہ میں پیدا ہوا ایک قسم کی ناانصافی ہی یا تو یہ کہنا چاہیئے کہ ابتدا ہی اسلام یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کے زمانے میں تسنن تشیع اعتزال، قدر، کوئی مذہب موجود نہ تھا یا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ تمام مذاہب اسی زمانے میں پیدا ہوچکے تھے آنحضرت کے زمانے تک اسلام ایک نہایت اجمالی اور سادہ چیز تھی یعنی عقائد میں کلمہ توحید اور اعمال میں فرائض خمسہ عقائد کی سادگی آنحضرت کے بعد بھی کچھ زمانہ تک قائم رہی کیونکہ آنحضرت کے انتقال کے ساتھ ہی فتوحات کی ابتدا شروع ہوگئیں اور عرب کی دماغی اور عملی قوت کا سارا زور مہمات ملکی کی طرف مصروف ہوگیا ان

معرکہ آرائیوں میں کلمہ توحید کا اجمالی مسئلہ تو ہمیشہ تازہ رہا کیونکہ جن قوموں پر حملے کئے جاتے تھے انکے سامنے جنگ سے پہلے یہی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا لیکن وہ اسی حد تک تھا کہ خدا ہے یہ تفصیل اور باریک بینیاں کہ ہے تو کیا ہے اسکے صفات کیا ہیں اسکی قدرت کے کیا حدود ہیں؟ وغیرہ وغیرہ اسوقت نہ پیدا ہوئیں اور نہ ہو سکتی تھیں۔

تاہم صحابہ میں چونکہ ایک گروہ ایسا بھی تھا جو علمی اشغال میں مصروف تھا اور جنکو مہمات ملکی سے بہت کم تعلق رہتا تھا اسلئے عقائد میں کسی قدر بحث و تدقیق شروع ہو گئی اور مختلف فرقوں کے وجود کی گویا بنیاد قائم ہوئی صحابہ کے زمانے تک عقائد میں جو اختلافات پیدا ہوئے انمیں سے چند یہ ہیں۔

اکثر صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے حضرت عائشہ کو اس سے انکار تھا عبداللہ ابن عباس کا مذہب تھا کہ رسول اللہ نے خدا کو دیکھا تھا حضرت عائشہ اسکی منکر تھیں۔

عبداللہ ابن عمر سماع موتی کے قائل تھے بعض صحابہ اسکے سخت مخالف تھے ابوہریرہ کا عقیدہ تھا کہ عزیزوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہ اسکے مخالف تھیں۔

عقائد کے متعلق تو انمیں چند مسائل میں اختلاف ہوا لیکن اعمال چونکہ محسوس پیرایہ رکھتے تھے اور روزانہ انسے کام پڑتا تھا اسلئے انمیں نہایت کثرت سے اختلاف پیدا ہو گئے بعض اختلافات جو وضو اور نماز کے مسائل کے متعلق تھے انکی تفصیل یہ ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ ۔ وضو میں اعضا کو ایک بار دھونا چاہیے	ابوہریرہؓ دو دو بار
ابوہریرہؓ آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔	جابرؓ نہیں ٹوٹتا۔
عائشہؓ نماز فجر منہ اندھیرے پڑھنی چاہیے۔	رافع بن خدیجؓ اسفار کرنا چاہیے۔
عائشہؓ عصر میں جلدی کرنی چاہیے۔	ام سلمہؓ تاخیر کرنی چاہیے۔
انسؓ بن مالک و ابن عمر اقامت اکہری کہنی چاہیے	عبداللہؓ بن زید دوہری چاہیے
علیؓ و ابن عباس و ابوہریرہ فجر میں قنوت پڑھنا چاہیے	ابومالک اشجعی نہیں
ابوبکرؓ عمرؓ انسؓ ابودرداء مسح علی العمامہ جائز ہے۔	بعض دیگر صحابہ نہیں
اکثر صحابہ مسح علی الخفین جائز ہے۔	عائشہ و ابن عباس جائز نہیں

لیکن عقائد اور اعمال کے ان اختلافات نے کسی قسم کا محسوس تفرقہ نہیں پیدا کیا سب لوگ ایک لقب یعنی مسلمان کے نام سے پکارے جاتے تھے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے دوستانہ ملتے جلتے تھے حضرت علیؓ کے اخیر زمانہ یعنی ۳۷ھ میں جب انھوں نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور حکم کا فیصلہ تسلیم کر لیا تو خود انکے ساتھیوں میں سے کئی ہزار آدمی انسے الگ ہو گئے کہا لاحکم الا للہ یعنی مذہب کے حق و باطل کا فیصلہ ثالث اور حکم کی رائے پر نہیں ہو سکتا۔ یہ پہلا تفرقہ جو اسلام میں قائم ہوا کیونکہ ان لوگوں نے تمام مسلمانوں سے جو انکی رائے سے موافق تھے ہر طرح پر علیحدگی اختیار کی

اور انکا عقیدہ تھا کہ جو شخص انکا ہم عقیدہ نہیں وہ مسلمان نہیں اس مناسبت سے یہ لوگ حضرت علیؓ کو دائرے سے خارج ہو گئے انکا نام خارجی مشہور ہوا اس امتیازی نام سے اس بات کی ابتدا ہوئی کہ اختلاف آرا کی بنا پر جدا جدا فرقے قائم ہوں اور انکے جدا جدا نام رکھے جائیں۔

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ تمدن کی وسعت کا خود اقتضا تھا کہ اسلام کے مجمل عقائد روز بروز وسیع ہوتے جائیں اور نئے نئے فرقے قائم ہوں لیکن پہلے وہی فرقے قائم ہوئے جنکو پالٹیکس سے بھی کچھ لگاؤ تھا خارجیوں کی ابتدا اسی حیثیت سے ہوئی شیعہ کا فرقہ تو گویا پولیٹکل فرقہ تھا۔ قدریہ مذہب جو ان دونوں کے بعد پیدا ہوا اور جو مذہب اعتزال کی اصلی بنیاد ہے وہ پولیٹکل حیثیت سے خالی نہ تھا سب سے پہلے قدر کی نسبت جس نے گفتگو کی وہ معبد جہنی تھا یہ بنو امیہ کا زمانہ تھا اور استحکام سلطنت کیلئے ہمیشہ خونریزیاں کی جاتی تھیں ملک میں ان سفاکیوں کی وجہ سے نہایت ناراضی پھیلی ہوئی تھی اور چونکہ اُس وقت تک عرب میں آزادی کا مادہ باقی تھا وہ متعجب ہو کر افسران سلطنت سے پوچھتے تھے کہ تم مسلمان ہو کر ان خونریزیوں کو کیونکر جائز رکھتے ہو انکی طرف سے جواب ملتا تھا کہ ہم کچھ نہیں کرتے جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے القدر خیرہ و شرہ معبد جہنی بھی انہیں لوگوں میں سے تھا چنانچہ ایک دفعہ حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مسئلہ کے متعلق انکی رائے دریافت کی انھوں نے کہا کذب اعداء اللہ یعنی دشمنان خدا (بنی امیہ) جھوٹے ہیں۔[1]

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور مذاہب کی طرح اعتزال کے ابتدائی آثار بھی خود آنحضرت اور صحابہ کے زمانے میں موجود تھے صحابہ میں سے اگرچہ بہت سے ایسے تھے جو مذہبی مسائل کے متعلق کچھ غور کرنا نہیں چاہتے تھے یا عقل کو دخل دینا نہیں چاہتے تھے لیکن ایسے بھی تھے جو ہر بات کو عقل کے معیار سے جانچتے یا کم سے کم یہ کہ عقل کو معاملات شرعیہ میں بیکار نہیں خیال کرتے تھے یہی اعتزال کی اصلی بنیاد تھی جس پر آگے چلکر بڑی بڑی عمارتیں قائم ہوئیں

اعتزال کا سب سے پہلا مسئلہ جو مذہب اعتزال کی تاریخ کا آغاز ہے یہ تھا کہ انسان جو برائیاں کرتا ہے خدا نہیں کرواتا اس مسئلہ کو قدر کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معتزلیوں کا دوسرا نام قدریہ بھی ہے اسی مناسبت سے وہ اپنا لقب عدلیہ رکھتے تھے کیونکہ خدا کا عادل ماننا اس بات پر موقوف ہے کہ انسان کو اپنے افعال کا مختار مانا جائے اور معتزلہ ایسا ہی مانتے تھے اس مسئلہ کو سب سے پہلے معبد جہنی نے شائع اور مشتہر کیا اور اسی وجہ سے قدریہ کے لقب سے مشہور ہوا چونکہ اعتزال اور قدریہ کے اصول پالیٹکس سے بھی ایک خفیف تعلق رکھتے تھے اور معبد علانیہ حکومت بنی امیہ کو برا کہتا تھا عبدالملک بن مروان نے ۸۰ھ میں حجاج کے ہاتھ سے اسکو قتل کرا دیا[2]

معبد کے بعد غیلان دمشقی نے جو قبطی النسل تھا اس مسئلہ کی ترویج کی اسکے ساتھ چند اور مسائل بھی مذہب اعتزال میں شامل کر لیے جنمیں ایک امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی تھا یہ مسئلہ حکومت کیلئے ایک پر خطر مسئلہ تھا

اور چونکہ غیلان نہایت بیباکی سے اس کا اعلان کرتا تھا ہشام بن عبدالملک نے جو ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا دمشق میں بلاکر اسکو پھانسی دیدی۔

معبد و غیلان نے جو ارکان اعتزال تھے اگرچہ بہت کم زمانہ پایا لیکن اتنے ہی عرصے میں اعتزال کو بہت ترقی ہوگئی سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے یہ مذہب قبول کرلیا اور اسکے بڑے بڑے اصول مرتب ہوکر قلمبند ہوگئے۔

اسی زمانہ میں دو شخصوں نے جو اتفاق سے ایک ہی سنہ یعنی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اس مذہب کو زیادہ رونق دی یعنی عمرو بن عبید اور واصل بن عطا یہ دونوں حسن بصری کے شاگرد تھے اور انکے حلقہ درس میں جو بصرہ کی مسجد میں منعقد ہوا کرتا تھا اکثر شریک ہوا کرتے تھے اُن دنوں خوارج کے اس مسئلہ کا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے بہت چرچا تھا حسن کی مجلس میں اسکا ذکر آیا تو واصل نے کہا کہ میں ایک تیسری شق اختیار کرتا ہوں وہ یہ کہ مرتکب کبائر نہ مسلمان ہی نہ کافر اسپر حسن نے سخت ناراضی ظاہر کی واصل و عمرو بن عبید دونوں انکے پاس سے اٹھکر چلے اور اسی مسجد میں اپنا ایک حلقہ درس قائم کیا حسن کے حلقہ سے الگ بیٹھکر لوگوں نے ان کو معتزلہ کہنا شروع کیا اور اس لقب کے ایجاد کا یہ سبب ہوا۔

یہ دونوں مذہب اعتزال کے دست و بازو اور فضل و کمال کے چشم و چراغ تھے واصل عرب کے نہایت مشہور بلیغوں میں شمار کیا گیا ہی اسکی قادر الکلامی کی ایک مثال یہ ہی کہ چونکہ وہ الثغ تھا یعنی اسکی زبان سے ر کا حرف نہیں ادا ہوتا تھا اسلیے جو لکچر دیتا یا کوئی عبارت لکھتا یا بولتا عموماً (ر) سے خالی ہوتی تھی، علم کلام کا پہلا موجد وہی ہی اصول اولین اسی نے بیان کیے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں بہت سے اولیات اسکی طرف منسوب کیے ہیں چنانچہ لکھا ہی کہ ملحدوں کا رد اول اسی نے لکھا مسائل فقہ کے چار ماخذ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس اول اسی نے قرار دیے عام و خاص کی اصطلاح اول اسی نے قائم کی یہ مسئلہ کہ نسخ احکام میں ہوسکتا ہی نہ اخبار میں، اول اسی نے بیان کیا علامہ ابن خلکان نے اسکی بہت سی تصنیفات کے نام گنائے ہیں جو نہایت عمدہ مضامین پر لکھی گئی ہیں۔

عمرو بن عبید کمالات علمی کے علاوہ نہایت زاہد و عابد اور دنیا سے بے نیاز تھا حسن بصری سے ایک شخص نے اسکی نسبت سوال کیا تو انھوں نے کہا تم ایسے شخص کی نسبت پوچھتے ہو جسکو گویا فرشتوں نے ادب سکھلایا ہی اور انبیا نے اسکی تربیت کی ہے میں نے اس سے زیادہ کسی کے ظاہر کو باطن کے ساتھ موافق نہیں پایا خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں اسکا آنا اور نہایت بے نیازی اور آزادی سے گفتگو کرنا نہایت وعجیب واقعہ ہی جس کا تذکرہ تمام مؤرخین نے کیا ہی اسکے مرنے پر خود مرثیہ لکھا اہل تاریخ کا بیان ہی کہ یہ شرف یعنی خلیفہ وقت کا مرثیہ لکھنا عمرو بن عبید کے سوا دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوا غرض واصل اور عمرو کی نکتہ آفرینی سے مذہب اعتزال نے نہایت وسعت پیدا کی عدل و قدر کے علاوہ اور بہت سے دقیق مسائل مذہب اعتزال میں شامل ہوگئے، ملک میں ان مسائل کا زیادہ چرچا ہوتا گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اسنے دربار خلافت میں بھی بار پایا یزید بن ولید بن عبدالملک نے علانیہ یہ مذہب

قبول کیا اور جب ولید بن یزید نے جو ۱۲۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا زیادہ عیاشی اور عیش پرستی شروع کی تو یزید ناقص نے امر بالمعروف کے دعوی سے جو اعتزال کے مسائل کا پانچواں اصول تھا اشتہار جنگ دیا اور بہت سے معتزلہ اسکے ساتھ ہو گئے[1] یزید نے فتح حاصل کی اور ولید کو قتل کرادیا حکومت کا پایہ تھام کر اعتزال نے اور زیادہ ترقی کی ولید نے ۱۲۶ھ میں وفات پائی اور اسکے بعد ۱۳۲ھ میں دولت بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

دولت عباسیہ کا دوسرا بادشاہ منصور اگرچہ خود کسی خاص مذہب کے انتساب سے مشہور ہونا نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ عمرو بن عبید سے جسکا ذکر اوپر گذر چکا بچپن کی دوستی تھی اور دونوں مدت تک ایک ساتھ تحصیل علم کرتے رہے تھے اسکے علاوہ عمرو بن عبید کی بے ریا خدا پرستی اور زہد و قناعت کا وہ دل سے معترف تھا خود بخود اسکے عہد میں اعتزال کو ترقی ہوئی واصل بن عطا نے تمام اسلامی ممالک میں اپنے نقیب بھیجدے کہ مذہب اعتزال کی منادی کریں عبد اللہ بن الحارث کو مغرب بھیجا اور بہت سے لوگوں نے مذہب اعتزال پر بیعت کی حفص بن سالم کو خراسان روانہ کیا وہاں جہم بن صفوان سے جو مذہب جہمیہ کا بانی ہے مناظرہ ہوا اور جہم نے زک پائی اسی طرح ایوب کو جزیرہ حسن بن زکوان کو کوفہ عثمان طویل کو آرمینیا بھیجا آرمینیہ میں بہت سے لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا۔

ان واقعات کے سوا ایک نہایت قوی سبب اور پیدا ہوا جسنے اعتزال کا سکہ بٹھا دیا منصور نے سلطنت کے انتظام سے مطمئن ہو کر علوم و فنون کی اشاعت پر توجہ کی اور پہلوی سریانی یونانی ہندی زبانوں سے حکمت و فلسفہ کی کتابیں ترجمہ کرائیں سلطنت کے اثر سے ان ترجموں کو نہایت قبول حاصل ہوا اور ملک میں فلسفیانہ مذاق کی گرم بازاری ہو گئی یہود۔ عیسائی پارسی جو حکومت کی رعایا تھے انھوں نے اس طرف زیادہ توجہ کی اور ساتھ ہی اسلام کے مسائل پر نکتہ چینیاں شروع ہو گئیں منصور نے تلوار کے زور سے اسکو روکنا مناسب سمجھا بلکہ بحث کی عام اجازت دیدی غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں محدثین اور فقہا اپنی روایات لیکر آتے وہاں منقولات سے کیا کام چلتا تھا۔ آخر معتزلہ میدان میں آئے کہ ہم مذہب کو دلائل عقلی سے ثابت کر سکتے ہیں چنانچہ انھوں نے اکثر معرکوں میں غیر مذہب والوں کو شکست دی یہ دیکھکر کہ حمایت اسلام کے لئے مذہب اعتزال زیادہ کام آسکتا ہے ملک کے ممتاز لوگوں کو اعتزال کی طرف زیادہ توجہ ہوئی اور سیکڑوں ہزاروں آدمی معتزلی بنگئے منصور کے بعد مہدی نے مذہبی آزادی کو روک دیا مہدی کا خلف الرشید ہارون الرشید بھی اگرچہ فلسفہ و حکمت سے بے بہرہ تھا تاہم چونکہ دربار برمکیوں کے ہاتھ میں تھا اور وہ انتہا درجہ کے آزاد خیال اور علم دوست تھے اعتزال کا قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھتا جاتا تھا اخیر میں فقہا کے اشارہ سے ہارون نے مناظرہ کی مجلسیں قطعاً بند کرادیں[2] اور ساتھ ہی معتزلہ کی ترقی بھی رک گئی لیکن جب مامون تخت نشین ہوا تو اس کمی کا پورا معاوضہ مل گیا مامون نے خود مذہب اعتزال

---

[1] یزید کا اعتزال اور معتزلیوں کا اسکا ساتھ دینا مسعودی نے یزید کے حالات میں بیان کیا ہے[2] کتاب الفہرست ابن الندیم

قبول کیا اور تمام بڑے بڑے معتزلی علما دربار میں باریاب ہوئے ابو الہذیل علاف و نظام ماموں کے استاد تھے اور ماموں انکا نہایت ادب احترام کرتا تھا علاف و نظام دونوں فلسفہ و حکمت کے بڑے استاد تھے ماموں کہا کرتا تھا اظل ابو الھذیل علی الکلام کاظلال الغمام علی الانام یعنی ابو الہذیل نے علم کلام پر اس طرح سایہ کیا ہے جس طرح بادل آدمی پر سایہ کرتا ہے۔

ہارون کی روک ٹوک اور فقیہانہ تعصب نے غیر قوموں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ مذہب اسلام عقل کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا یہ بدگمانی یہانتک بڑھی کہ غیر مذہب والوں کو یہ عام خیال پیدا ہو گیا کہ اسلام دنیا میں جو پھیلا وہ تلوار کے زور سے پھیلا۔ ماموں نے یہ سنکر ایک عظیم الشان مناظرہ کی مجلس قائم کی تمام اطراف ملک سے ہر مذہب و ملت کے پیشوا طلب کئے فرقہ مانویہ کا رئیس مذہب جس کا نام یزدان بخت تھا رے سے طلب ہو کر آیا ہر شخص کو نہایت آزادی سے گفتگو کرنے کی عام اجازت دی گئی مسلمانوں کی طرف سے ماموں نے ابو الہذیل علاف کو مقرر کیا چنانچہ ابو الہذیل علاف نے یزدان بخت کو بالکل ساکت کر دیا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

ماموں نے تمام اضلاع میں مناظرہ کی مجلسیں قائم کیں اور ہر مذہب و ملت کے آدمیوں کو بحث و مناظرہ کی اجازت دی ان مجالس میں ہر جگہ معتزلی ہی مناظرہ میں ممتاز نظر آتے تھے اور در حقیقت اسوقت انکی وجہ سے اسلام بڑے صدمے سے محفوظ رہ گیا ابو الہذیل علاف کی خوبی تقریر اور زور کلام کی وجہ سے تین ہزار سے زیادہ آدمی اسلام لائے۔ ابو الہذیل و نظام نے مذہب اعتزال میں چند نئے اصول اضافہ کئے جنکی تفصیل آگے آئیگی۔

ماموں کے بعد معتصم اور معتصم کے بعد واثق تخت پر بیٹھا یہ دونوں معتزلی تھے اور انکی وجہ سے اعتزال کو زیادہ قوت حاصل ہوئی۔ معتصم اور واثق کے دربار میں قاضی احمد بن ابی داؤد جو قاضی القضاۃ تھے تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے یعنی ملک کا کوئی انتظام انکی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ قاضی صاحب معتزلی تھے اور صرف ایک واسطے سے واصل بن عطا کی شاگردی کا شرف رکھتے تھے انکے زمانہ میں اعتزال کو وہ زور حاصل ہوا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا واثق کے بعد اگرچہ متوکل نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہر قسم کی عقلی ترقی روک دی لیکن تمام اسلامی ممالک میں یہ مذہب جڑ پکڑ چکا تھا۔ اور متوکل کے مٹانے سے مٹ نہ سکتا تھا چنانچہ چوتھی صدی تک اعتزال کو پوری قوت حاصل رہی۔ اور بڑے بڑے متکلم۔ مفسر۔ ادیب پیدا ہوئے جنکی تصنیفات ابتک بڑے پایہ کی خیال کی جاتی ہیں سب سے اخیر ابو علی جبائی تھا جسنے سنہ ۳۰۳ھ میں وفات پائی اور جسکے بعد اس درجہ کا کوئی امام الاعتزال نہیں پیدا ہوا۔

اسلامی ممالک میں سے اسپین میں فلسفہ اور عقلیات کو عوام نہایت ناپسند کرتے تھے یہانتک کہ اگر کوئی شخص فلسفہ کے نام سے منسوب ہوتا تھا تو بازار میں اسکا نکلنا مشکل ہوتا تھا حکیم ابن رشد اسی جرم میں جلاوطن کیا گیا۔

شام میں بھی فلسفہ و عقلیات کو کبھی ترقی نہیں ہوئی۔ اس لحاظ سے ان دونوں ملکوں میں اعتزال کا رواج

نہ پانا محل تعجب نہیں ہندوستان کا بھی قریباً یہی حال ہو گئی سو برس تک یہاں عقلی علوم کا قدم نہیں آیا تیموریوں کے زمانہ سے منطق و فلسفہ کی بنیاد پڑی لیکن اسوقت مذہب اعتزال خود نا پید ہو چکا تھا جسکی وجہ آگے آئیگی۔

چوتھی صدی کے آغاز میں ابوالحسن اشعری کا نشوو نما ہوا یہ ابو علی جبائی کے شاگرد تھے اور مدت تک معتزلی رہے ایک دن ایک مسئلہ میں جو اعتزال سے تعلق رکھتا تھا انھوں نے جبائی کو بند کر دیا اور پھر اعتزال سے توبہ کر کے سنی اور شافعی ہو گئے۔ فقہا اور محدثین جو فلسفہ اور منطق سے بالکل نا آشنا تھے اور اس وجہ سے معتزلیوں سے ہمیشہ جھپکتے تھے انکو ابوالحسن اشعری نہایت غنیمت معلوم ہوئے انھوں نے انکو نہایت تپاک سے لیا اور انکی تصنیفات کو جو زیادہ تر مذہب اعتزال کی رد میں تھیں تمام ملک میں پھیلا دیا۔ چونکہ ان تصنیفات میں جا بجا قرآن اور حدیث کے حوالے تھے اسلئے عام لوگوں میں انکا بہت رواج ہو گیا اور معتزلہ کا زور کم ہونا شروع ہوا تاہم چوتھی صدی کے اخیر تک کوئی صوبہ بلکہ ضلع اور پرگنہ و شہر معتزلہ کے وجود سے خالی نہ تھا چنانچہ علامہ بشاری نے جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا مقامات ذیل کے متعلق معتزلہ کی نسبت یہ تفصیل لکھی ہے۔

عرب — سرحدات اور حرمین کے سواحل اور خصوصاً عمان کے تمام باشندے معتزلی ہیں۔

عراق — معتزلہ یہاں بھی ہیں لیکن حنبلیوں اور شیعوں کا غلبہ ہے۔

اقور — موضع عانہ میں کثرت سے معتزلی ہیں۔

مصر — فسطاط میں معتزلہ کا بڑا زور ہے

خراسان — دیہات میں زعفرانیہ بہت ہیں (زعفرانیہ درحقیقت اعتزال کی ایک شاخ ہے)

فارس — معتزلہ اور شیعہ کثرت سے ہیں

کرمان — سیرجان میں اکثر معتزلہ ہیں

خوزستان — اس ملک میں تمام دنیا کی بہ نسبت معتزلی زیادہ ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری نے ۳۲۴ ہجری میں انتقال کیا ۳۸۰ ہجری میں انکے مذہب نے عراق میں ترقی کرنی شروع کی پانچویں صدی میں چند بڑے بڑے نامور علما مثلاً قاضی ابوبکر باقلانی ابن فورک۔ ابو اسحاق اسفرائینی ابو اسحق شیرازی امام غزالی نے اس مذہب کی تائید اور نصرت میں بہت سی کتابیں لکھیں اور معتزلہ کی تکفیر اور تفسیق کی چونکہ اسوقت عباسیوں کی سلطنت برائے نام رہ گئی تھی اور سلجوقیہ وغیرہ کی وجہ سے مذہبی آزادی بالکل باقی نہیں رہی تھی۔ اشعری مذہب کے رواج کے ساتھ اعتزال کے جبراً مٹانے کی کوشش کی گئی معتزلیوں پر ہر طرح کا ظلم کیا جاتا تھا اور انکو اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی محمد بن احمد

لہ مقریزی صفحہ ۳۵۸ جلد ثانی

جو بہت بڑے معتزلی عالم گذرے ہیں اور ۵۳۸ھ ہجری میں انتقال کیا پچاس برس تک گھر سے باہر نہیں نکل سکے علامہ زمخشری جنکی تفسیر کشاف گھر گھر پھیلی ہوئی ہے چونکہ معتزلی تھے اپنے ملک میں چین سے رہنے نہیں پائے اسلیئے ہجرت کر کے مکہ چلے گئے چنانچہ اپنی تفسیر میں ایک موقع پر اسکا اشارۃً ذکر کیا ہے۔

امام غزالی جس زمانہ میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں مدرس تھے محمد بن تومرت مراکش سے آکر انکا شاگرد ہوا اور انسے اشعری عقائد سیکھے۔ بغداد سے واپس جاکر اپنے سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اسکی وفات کے بعد عبدالمومن بن علی جو اسکا جانشین ہوا تمام مغرب اور اندلس کا بادشاہ بنگیا محمد بن تومرت نے اشعری کے عقائد عبدالمومن کو حوالہ کردئے تھے اس نے اپنی تمام سلطنت میں اسی کو رواج دیا اور حکم دیدیا کہ ان عقیدوں کا جو منکر ہو وہ قتل کیا جاوے چنانچہ سخت خونریزی کے بعد تمام اسپین اور مغرب میں اشعری کے سوا اور کسی فرقہ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا

سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس نے بچپن میں قطب الدین مسعود نیشاپوری سے تعلیم پائی تھی اور وہ اشعری المذہب تھے۔ سلطان صلاح الدین کو جب حکومت حاصل ہوئی تو اسنے تمام حکومت میں بجبر اشعری عقائد جاری کردئیے

ساتوین صدی میں مغلون اور ترکوں نے بغداد اور بغداد کے ساتھ اور بڑی بڑی شہروں بلکہ مسلمانوں کے تمام عقلی اور دماغی قوی کا استیصال کر دیا مدت تک تو یہ تمام ممالک ویران پڑے رہے ترکوں کے مسلمان ہوجانے کے بعد دوبارہ نشو و نما شروع ہوا لیکن وہ عقلی ترقیاں پھر عود نہیں کر سکتی تھیں۔ ترک قلم کی بہ نسبت تلوار سے زیادہ کام لیتے تھے۔ اور چونکہ چھٹی صدی کے بعد تمام اسلامی دنیا یعنی ہند خراسان۔ فارس۔ عراق۔ مصر۔ شام ایشیائے کوچک قسطنطنیہ وغیرہ میں ہر جگہ ترک ہی ترک تھے اسلیئے وہ نازک اور دقیق مذہب جو تلوار کی بہ نسبت قلم سے زیادہ مناسبت رکھتا تھا دوبارہ زندہ نہو سکا مذہب اعتزال کی ابتدا ترقی اور تنزل کا یہ نہایت اجمالی خاکہ ہے۔

علوم جدیدہ

علم کی حقیقت

علوم جدیدہ کے مسائل بعض ایسے ہیں جو بالکل حال کی ایجاد ہیں اگلے زمانے میں ان کا نام و نشان تک نہ تھا بعض ایسے ہیں جو پہلے بھی موجود تھے لیکن آج انکی تشریح جس طرح کیجاتی ہے اگلوں نے نہیں کی تھی اس سلسلہ کی ابتدا ہم پہلے اسی قسم کے ایک مسئلہ سے کرتے ہیں کیونکہ اس سے قدیم و جدید کے معاززنہ کا موقع بخوبی ملسکتا ہے

علم کی حقیقت یونانیوں نے یہ بیان کی تھی کہ کسی چیز کی صورت جو ذہن میں حاصل ہوتی ہے اسکا نام علم ہے اسکے متعلق حصولی حضوری۔ حصول اشیاء بانفسہا اور باشباحہا کی طول طویل بحثیں تمام متداول کتابوں میں مذکور ہیں حکمائے حال نے علم کی جسطرح تشریح کی ہے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

انسان کو خدا نے مختلف حواس دئے ہیں اور ہر حواس کے مدرکات جدا ہیں۔ قوت سامعہ صرف آواز کو محسوس کرتی ہے اجسام یا رنگ اور خوشبو وغیرہ کو ادراک نہیں کر سکتی شامہ آواز صورت کا احساس نہیں کر سکتی۔

اکثر چیزیں مختلف چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہیں جو مختلف حواسوں سے محسوس ہوتے ہیں مثلاً شہد میں لزوجیت ہے جسکو لامسہ محسوس کرتا ہے رنگ زرد ہے جو آنکھ سے محسوس ہوتا ہے خوشبو ہے جسکو شامہ سے تعلق ہے وزن ہے جسکا ادراک لامسہ کی اعانت سے ہوتا ہے جب ہم کسی چیز کو مختلف حواس سے محسوس کرتے ہیں تو جو کیفیتیں محسوس ہوتی ہیں وہ ہمارے حافظہ کے خزانہ میں جمع ہوتی ہیں اب انمیں سے جب کسی ایک کا احساس ہوتا ہے تو اس چیز کی باقی کیفیتیں ہمکو یاد آجاتی ہیں مثلاً ہم نے کسی وقت شہد کو دیکھا چکھا اور سونگھا تھا اس سے شہد کی نسبت ہمارے حافظہ میں تین کیفیتیں جمع ہوئیں رنگ مزہ خوشبو۔ اب فرض کرو کہ ہمنے دوسرے شہد کو دیکھا اور اُسکی خوشبو یا مزہ ہمکو محسوس نہیں ہوا تاہم اسکا مزہ اور خوشبو خود بخود ہمکو یاد آجاویگی اس بنا پر احساس اور ادراک کے متعدد مدارج ہیں۔

احساس کے مدارج

(۱) محض احساس بالفعل مثلاً ہم ایک سیب کو دیکھ رہے ہیں (۲) احساس سابق اور احساس بالفعل دونوں مثلاً ہم نے شہد کو دیکھا اور اسکا مزہ جو پہلے ہمنے چکھا تھا اسوقت یاد آگیا تو اُسکی رنگت کا ادراک موجودہ احساس کے ذریعہ سے ہے اور مزہ کا ادراک گذشتہ احساس کی یاد ہے (۳) محض تصور مثلاً ہمنے شہد کو کبھی سونگھا اور چکھا تھا اب شہد ہمارے سامنے نہیں ہے لیکن ہمکو وہ یاد آگیا اور اسکے ساتھ اسکا رنگ مزہ خوشبو سب یاد آگئی تو ان میں سے کوئی چیز موجود بالفعل نہیں بلکہ احساس سابق کا تذکرہ ہے اور اس لحاظ سے اسوقت ہمکو شہد کا محض تصور ہی تصور ہے۔

یہاں یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ جو علم احساس بالفعل سے حاصل ہوتا ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اور جسمیں گذشتہ احساس سے کام لینا پڑتا ہے وہ یقینی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ گذشتہ احساس کی یاد میں ہمنے غلطی کی ہو۔ اور اکثر احساس کی نوعیت کے متعلق ایک عام غلطی کیجاتی ہے کہ جب ہم مثلاً سیب کو دیکھکر کہتے ہیں کہ مجکو سیب کا علم ہوا تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ علم بدیہی ہے کیونکہ بالذات حواس ظاہری کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے لیکن اس میں غلطی یہ ہے کہ سیب کا علم یہاں صرف حواس سے نہیں حاصل ہوا ہے حواس نے صرف رنگت اور شکل محسوس کی ہے باقی اُسکا مزہ اور خوشبو تو چونکہ اس کا احساس پہلے ہو چکا تھا اسلئے ہمنے قیاس کر لیا کہ جب صورت اور رنگ وہی ہے تو مزہ اور خوشبو بھی وہی ہوگی اسلئے محسوس بالفعل صرف شکل اور رنگ ہے باقی گذشتہ محسوس کی یاد ہے اب جبکہ ہمارے سامنے سرے سے ایک شے موجود نہو لیکن اُسکے مختلف آثار ہم پہلے محسوس کر چکے ہوں اور اسلئے اُسکا خیال ہمارے ذہن میں آئے تو یہ تصور ہوگا اس بنا پر تصور کی تعریف یہ ہوگی کہ کسی شے کے گذشتہ احساسات کی یاد۔

تصور کی تعریف

ان بیانات سے ثابت ہوگا کہ تصور کی تعریف جو یونانیوں نے کی تھی یعنی کسی شے کی صورت جو ذہن میں حاصل ہو وہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

پہلی غلطی تو یہ ہی کہ ذہن یا عقل کوئی مادی شے نہیں جسمیں صورت کا انعکاس یا انطباع ہو دوسری غلطی یہ ہے کہ تصور کے وقت کوئی نئی صورت حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک حاصل شدہ صورت کا تذکرہ ہوتا ہی ہمارے حافظہ میں بہت سے معلومات ہیں جب ہم انکی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہی کہ ہمنے انکا تصور کیا اب اگر تصور کی حقیقت وہ ہو جو بونانی بیان کرتے ہیں تو معنی یہ ہونگے کہ اسوقت کوئی نئی صورت حاصل ہوئی ہی حالانکہ اسوقت کوئی نئی صورت حاصل نہیں ہوئی بلکہ جو صورت پہلے سے حاصل تھی اسی کی طرف ہمارا ذہن متوجہ ہوا ہی کیونکہ کسی شی کی صورت حاصل اسوقت ہوتی ہی جب وہ شے ہمارے حواس کے سامنے موجود ہو۔

اس مسامحت کی وجہ یہ ہی کہ کسی شے کی حاصل شدہ صورت کی یاد دلانیکا بڑا ذریعہ رویت ہی اور رویت میں اشیا کی صورت آنکھ کے پردہ میں منطبع ہوتی ہی اس لئے احساس بصری میں جو صورت حاصل ہوتی ہی وہ تصور نہیں بلکہ تصور کی پیدا کرنیوالی۔ لیکن یہ تمام ادراکات یعنی احساس بالفعل احساس مرکب تصور محض سب ادراک کے ابتدائی درجے ہیں یعنی یہ سب جزئیات کے ادراک کے طریقے ہیں۔

کلیات کا ادراک سطح ہوتا ہی کہ ہم بہت سے جزئیات کو دیکھتے ہیں ان سب میں بعض چیزیں مشترک پاتے ہیں یہ قدر مشترک کوئی موجود خارجی نہیں ہی نہ کسی خاص موجود خارجی کے مطابق ہی لیکن ایک قسم کا وجدان ہی جو بہت سے جزئیات کے دیکھنے اور ان میں سے بعض اوصاف کے مشترک پانے سے پیدا ہوتا ہی اس وجدان کا نام تعقل ہے اور اسی کو کلیات کا ادراک کہتے ہیں۔

منطق میں جس چیز کو تصور کہا جاتا ہی وہ تصور نہیں بلکہ یہی تعقل ہی کیونکہ تصور کے لئے صورت کی ضرورت ہی اور کلیات کے ادراک میں کوئی خاص صورت نہیں حاصل ہوتی بلکہ بہت سے جزئیات کے استقصا سے اسطرح منتزع ہوتا ہے کہ ہم افراد کے خصوصیات کو حذف کرتے جاتے ہیں اور ایک مفہوم عام پیدا کر لیتے ہیں ہم نے زید۔ بکر۔ عمرو کو دیکھا انکی جو الگ الگ خصوصیتیں تھیں مثلاً قومیت وطن جسمانی ترکیب وغیرہ وغیرہ سب کو حذف کرتے گئے تو صرف انسانیت ایک ایسی چیز باقی رہی جو سب میں مشترک ہی یہ انسانیت خارج میں موجود نہیں اور اسلئے وہ کسی حاسہ سے محسوس نہیں ہو سکتی بلکہ جزئیات کے دیکھنے سے منتزع ہوتی ہی اسلئے اسکو تصور نہیں بلکہ شعور یا تعقل کہا جا سکتا ہی اور چونکہ علم کی یہ اعلی درجہ کی قسم ہے اسلئے علم کی تعریف یا تو یوں کرنی چاہیئے کہ تصور مع تعقل یا صرف تعقل پر اکتفا کرنا چاہیئے۔

ابن رشد

اس مضمون کے متعلق چند باتیں عرض کر دینی ضرور ہیں۔

اول یہ کہ یہ مضمون تمامتر پروفیسر رینان کی کتاب "سوانح ابن رشد" سے ماخوذ ہے۔

لیکن پروفیسر مذکور نے اس مضمون کو اسقدر وسعت سے لکھا ہے کہ کئی سو صفحوں میں ادا ہوا ہے لیکن اسوقت میں رینان کی کتاب کی طرف رجوع نہ کر سکا بلکہ الجامعہ کے اڈیٹر نے رینان کی کتاب کا عربی میں جو نہایت ناتمام خلاصہ لکھا ہے اسکو مختصر طور پر ادا کر دیا ہے

یہ امر خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ اس مضمون میں جن یورپین پروفیسروں اور مصنفوں کے نام آئے ہیں انکا تلفظ بالکل بدلگیا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ فرنچ تلفظ انگریزی تلفظ سے بہت مختلف ہے۔ اسپر مزید یہ کہ الجامعہ کے اڈیٹر نے ان ناموں کو معرب کر کے لکھا ہے اور میں نے اسکی پیروی کی فرنچ تلفظ عربی کے قالب میں ڈھل کر انگریزی تلفظ سے بالکل بیگانہ ہوگیا ہے اور انگریزی خوانوں کو یہ نام بالکل اجنبی معلوم ہونگے اس مضمون میں اصلی جو چیز لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان اپنے علوم و فنون اور اپنے اسلاف کی یادگاروں کی پرستش کے دعویدار ہیں لیکن یہ دیکھکر انکو سخت حیرت ہوگی کہ ابن رشد جسکی تصنیفات کا انکو نام و نشان بھی نہیں ملتا یورپ میں ایک مدت تک اسکی تصنیفات تمام بڑی بڑی یونیورسٹی میں داخل درس رہیں اور سیکڑوں اہل فن ان تصنیفات کے شرح حواشی لکھنے میں مصروف تھے اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوگا کہ یورپ نے یونان اور عربی فلسفہ کو اب جو نظر انداز کیا ہے سوچ سمجھکر کیا ہے

ابو الولید کنیت حفید لقب محمد بن احمد بن محمد بن ارشد نام ہے اسکا خاندان اندلس میں نہایت معزز خاندان شمار کیا جاتا تھا اسکا دادا محمد بن رشد سنہ ۵۲۰ھ ہجری مطابق ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوا علم فقہ میں اس درجہ کمال حاصل کیا کہ قرطبہ (کارڈوا) میں قاضی القضاۃ مقرر ہوا اور دور سے لوگ اسکے پاس فقہی مسائل کے حل کرنے کیلئے آتے تھے ابن فران نے جو قرطبہ کی مسجد جامع کا امام تھا اسکے فتوی کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا ایک نسخہ اسپین کی خانقاہ

[1] یہ عجیب بات ہے کہ ابن رشد کے حالات اسلامی تذکروں اور تاریخوں میں بہت کم ملتے ہیں ابن ابی اصیبعہ نے مختصر طور پر اس کا تذکرہ کیا ہے نفح الطیب میں اس سے بھی زیادہ مختصر ہے ابن الابار اندلسی نے بھی اجمال سے کام لیا ہے یہ تمام کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں ذہبی کی کتاب ہمنے نہیں دیکھی لیکن پروفیسر رینان نے اسکی عبارت نقل کی ہے اس میں بھی ایسی تفصیل نہیں جو ابن رشد کے شایان ہو پروفیسر رینان نے جو فرانس کا نہایت مشہور مصنف گذرا ہے خاص ابن رشد کے حالات میں ایک ضخیم کتاب فرنچ زبان میں لکھی جسمیں ابن رشد کی سوانح عمری تفصیل سے لکھی رینان کو بڑا موقع یہ حاصل تھا کہ ابن رشد کے یہودی شاگردوں نے جو کچھ ابن رشد کے متعلق لکھا تھا وہ اسکے پیش نظر تھا رینان نے ابن رشد کے فلسفہ پر بھی نہایت تفصیل سے بحث کی ہے جسکی وجہ سے کتاب کی ضخامت ۵۰۰ صفحوں سے متجاوز ہوگئی ہے بیروت کے ایک عیسائی مورخ نے اپنی کتاب آثار الادہار میں اسکی مدد سے ابن رشد کا کسی قدر مفصل تذکرہ لکھا ہے انطون نے ابن رشد کے حالات پر ایک مستقل کتاب عربی زبان میں لکھی جو حال میں اسکندریہ سے شائع ہوئی ہے لیکن اسکی اصلی غرض ایک مسلمان عالم (شیخ محمد عبدہ) سے مجادلہ کرنا تھا چنانچہ اصل مقصد کو چھوڑ کر ساری کتاب مجادلہ اور مناظرہ سے بھر دی ہے اردو زبان میں بھی ابن رشد کے متعلق دو ایک مضمون لکھے گئے جنمیں سے نواب عماد الملک کا مضمون گو مختصر ہے لیکن چونکہ رینان سے ماخوذ ہے قابل استناد ہے۔

سان فیکتوریں تھا اور اب پیرس کے کتب خانہ میں ہی شاہی دربار میں اسکو بڑا تقرب حاصل تھا اور اکثر وہ ملکی معاملات میں دخیل ہوتا تھا اس زمانے میں مسلمانوں کا حریف مقابل الفونس تھا جو اکثر اندلس پر حملہ آور ہوتا تھا اور چونکہ خود اندلس کے عیسائی اسکی اعانت کرتے تھے اکثر کامیاب ہوتا تھا محمد بن رشد نے خاص اس غرض سے ۱۱۲۶ء میں مراکش (مراکو) کا سفر کیا اور سلطان مراکش سے درخواست کی کہ عیسائیونکو اندلس سے جلاوطن کر کے افریقہ میں آباد کرایا جائے سلطان نے اس صلاح کو نہایت پسند کیا اور اسکے حکم سے ہزاروں عیسائی اندلس سے نکل کر طرابلس مغرب میں جاکر آباد ہوئے محمد بن رشد نے ۵۲۰ھ ہجری مطابق ۱۱۲۶ء میں وفات پائی۔

محمد بن رشد کے فرزند احمد نے جو ۱۰۹۴ء میں پیدا ہوا تھا اپنی ذاتی قابلیت سے اپنے باپ کی جگہ حاصل کی یعنی قرطبہ کا قاضی مقرر ہوا ۱۱۶۸ء میں وفات پائی اور اپنی یادگار ایک ایسا نامور فرزند چھوڑا جسکی تصنیفات آج اسلام کی سب سے بڑی علمی یادگار ہیں

ابن رشد ۵۲۰ھ ہجری مطابق ۱۱۲۶ء میں اپنی دادا کی وفات سے ایک مہینہ پہلے بمقام قرطبہ پیدا ہوا علم چونکہ خاندانی تھا اسلئے خود اپنے والد سے علوم کی تحصیل شروع کی موطا جو حدیث کی مشہور کتاب ہی اسکا راوی اول یحییٰ صمودی اسپین ہی کا رہنے والا تھا اور اسوجہ سے موطا کو ان ممالک میں اسدرجہ قبول حاصل تھا کہ قرآن کے بعد شمار کیجاتی تھی ابن رشد کی تعلیم اول اسی سے شروع ہوئی وہ موطا کو زبانی یاد کرتا تھا اور اپنے باپ کو سناتا تھا۔

حافظ ابوالقاسم بن بشکوال ابومروان بن میسرہ ابوبکر بن سمحون ابوجعفر بن عبدالعزیز اور ابوعبداللہ مازری سے بھی حدیث کی تحصیل کی علم فقہ حافظ محمد بن رزق سے حاصل کیا ادب اور عربیت اندلس کے نصاب تعلیم کا لازمی جز تھا اسلئے نہایت محنت اور شوق سے اسکی تحصیل کی ابوالقاسم بن طلیسان کا بیان ہی کہ ابوتمام اور متنبی کا دیوان اسکو زبانی یاد تھا اور اکثر صحبتوں میں انکے شعار وہ ضرب المثل کے طور پر برجستہ پڑھتا تھا۔

ان علوم کی تکمیل کے بعد اسنے طب کی طرف توجہ کی اس زمانہ میں اس فن کا امام ابوجعفر بن ہارون ترجالی تھا وہ اشبیلیہ کا رہنے والا تھا اور وہاں کے اعیان میں گنا جاتا تھا ابوبکر بن عربی جو امام غزالی کے شاگرد تھے ان سے حدیث کی تحصیل کی تھی طب میں نہایت کمال حاصل کیا تھا ارسطو اور دیگر حکمائے متقدمین کی تصنیفات کا بڑا ماہر تھا علوم نظریہ کے ساتھ معالجہ میں بھی کمال رکھتا تھا اور اس تعلق سے سلطان وقت یعنی یوسف بن عبدالعزیز کے دربار کا ملازم تھا۔ ابن رشد نے ابوجعفر کی خدمت میں ایک مدت تک طب کی تحصیل کی طب کے سوا اور علوم بھی اس سے حاصل کئے جسکی تفصیل آگے آئیگی۔

اسپین کی علمی حالت اور ابن رشد کی فلسفیانہ تعلیم عرب مورخ متفق اللفظ ہیں کہ اندلس میں فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا عام طور پر ناممکن تھا اس بنا پر ابن رشد ابن باجہ جیسے حکما کا اس ملک میں پیدا ہونا اسباب تاریخی کے خلاف ہی اسلئے پہلے ہم اس عقدہ کو حل کرنا چاہتے ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ اسپین میں مسلمانوں کی علمی زندگی ممالک مشرقیہ کی نسبت بالکل جداگانہ حالت رکھتی ہے ممالک مشرقیہ میں علم و فن کی ابتدا دولت عباسیہ سے ہوئی جس کا صدر مقام بغداد تھا عباسی حکومت کا مایۂ خمیر پارسی اور عیسائی قومیں تھیں اور اسوقت تک انکا ہر قسم کا لٹریچر زندہ موجود تھا انکی آمیزش سے اسلامی علوم و فنون میں ابتدا ہی سے فلسفہ کا رنگ آگیا اور گو ایک مدت تک فقہا و محدثین بہت کچھ دامن بچاتے رہے لیکن آخر مذہب و فلسفہ اس طرح شیر و شکر بن گئے کہ آج عقائد کو فلسفہ سے جدا کرنا ناخن کا گوشت سے جدا کرنا ہے لیکن اسپین کی حالت اس سے بالکل برخلاف تھی اسپین میں اسلامی حکومت کی ترکیب بالکل خالص اور بے میل تھی یعنی عرب کے سوا کسی دوسری قوم کا شائبہ نہ تھا عرب کے قبائل اس کثرت سے وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے کہ اسپین حجاز و نجد کا ایک ٹکڑا بن گیا تھا مفتوحہ قوموں کا کوئی علمی لٹریچر موجود نہ تھا اور تھا تو اس قدر کمزور تھا کہ فاتح لٹریچر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتا تھا مذاہب میں سے جس مذہب کا یہاں رواج ہوا وہ مالکی مذہب تھا جو عرب کے دل و دماغ کا آئینہ تھا ان اسباب سے ملک کی آب و ہوا میں عربیت اعرابیت میں مذہب اور مذہب میں تصلب اور تقشف کا اثر آگیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کسی کو فلسفہ و منطق میں مشغول دیکھتے تھے تو زندیق کا خطاب دیتے تھے اور اکثر اسکی زبان سے کوئی آزادانہ فقرہ نکل جاتا تھا تو بغیر اسکے حکومت سے چارہ کار کے متدعی ہوں خود اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیتے تھے علامہ مقری نفح الطیب میں لکھتے ہیں۔

کلما قیل فلان یقرء الفلسفۃ اطلقت علیہ العامۃ	جب یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص فلسفہ پڑھتا ہے تو عوام اسکو زندیق
اسم زندیق فان زل فی شبھۃ رجموہ بالحجارۃ او حرقوہ	کہنے لگتے تھے اور اگر اسنے کسی شبہہ میں لغزش کھائی تو قبل اسکے کہ بادشاہ
قبل ان یصل امرہ الی السلطان	کو اسکی خبر پہونچے اسکو پتھر مارتے یا آگ میں جلا دیتے۔

باینہمہ چونکہ مشرقی ممالک سے علمی تعلقات قائم تھے یعنی تحصیل علوم کے لئے اسپین سے لوگ مشرق کو آتے جاتے رہتے تھے اور یہاں کے اہل کمال نے قدردانی کی امید پر مغرب کا سفر کیا کرتے تھے اسپین اور مراکش میں بھی کبھی کبھی فلسفہ کا جلوہ نظر آجاتا تھا سب سے پہلے ان اطراف میں اس فتنہ کا پتہ تیسری صدی ہجری سے چلتا ہے اسحاق بن عمران بغداد کا ایک مشہور طبیب تھا وہ زیادۃ اللہ بن تغلب کے زمانہ میں افریقہ گیا اور وہیں سکونت اختیار کرلی علامہ ابن اصیبعہ اسکے حال میں لکھتے ہیں کہ یہ پہلا شخص ہے جسکی بدولت بلاد مغرب میں لوگوں نے فلسفہ کو جانا اسحق کے شاگرد بن سلیمان نے ان فنون میں زیادہ کمال حاصل کیا اور الٰہیات میں ایک کتاب لکھی جسکا نام بستان الحکمۃ تھا منطق میں بھی اسکی ایک تصنیف مدخل کے نام سے موجود ہے۔

لیکن ابھی تک یہ فتنہ باہر ہی باہر تھا یعنی خاص اسپین کی حدود اس آشوب سے پاک تھی یہاں تک کہ خلیفہ الحکم المستنصر لدین اللہ کا زمانہ آیا جسنے اندلس کو تمام دنیا کے علوم و فنون سے معمور کر دیا وہ ۳۵۰ھ ہجری میں

تخت نشین ہوا اور اس اہتمام سے علوم و فنون کی تربیت پر توجہ کی کہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کا نام بھی ماند پڑ گیا بلاد مشرقیہ میں ہر ہر جگہ سفیر اور وکیل مقرر کئے کہ جس قدر نایاب کتابیں جہاں سے مل سکیں کتب خانہ شاہی کو روانہ کیجائیں، دولت عباسیہ کا ہنوز علمی شباب تھا تاہم خلیفہ حکم کی رقیبانہ حوصلہ مندیوں کا مقابلہ نہ ہوسکا اسکی یہ خاص کوشش تھی کہ جو نادر تصنیف ممالک مشرقیہ میں لکھی جائے بغداد سے پہلے اسپین آئے چنانچہ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ علامہ ابو الفرج اصفہانی کتاب الاغانی لکھہ رہا ہے تو حکم کے قاصدوں نے کتاب کے تمام ہونے سے پہلے ایک ہزار اشرفیاں مصنف کی خدمت میں پیش کیں کہ کتاب کا پہلا نسخہ جو طیار ہو وہ کتب خانہ شاہی کے لئے محفوظ رکھا جائے اسپین کا خراج اس زمانہ میں پانچ کرور سے زائد تھا باوجود اسکے حکم کے علمی شوق کے لیئے کافی نہ تھا صاحب نفح الطیب لکھتے ہیں۔

كان يستجلب المصنفات من الاقاليم والنواحی — وہ تمام ممالک اور اطراف سے کتابیں بہم پہونچاتا تھا یہانتک

حتی ضاقت عنها خزائنه — کہ خزانہ شاہی ان مصارف کے لئے تنگی کرنے لگا۔

حکم نے جو کتب خانہ جمع کیا تھا اسکی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف عربی دیوانوں کی تعداد اسقدر تھی کہ فہرست کے ۸۰ صفحے صرف ان کے ناموں کے نذر ہوئے کل کتابوں کی مجموعی تعداد علامہ مقری نے چار لاکھ بیان کی ہے اس تعداد کی وقعت اسوقت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب یہ خیال کیا جائے کہ یہ مجموعہ ہر قسم کے رطب و یابس کا انبار نہ تھا بلکہ زیادہ تر منتخب اور نادرہ روزگار کتابیں تھیں کیونکہ حکم خود نہایت بڑا مبصر اور ناقد فن تھا مورخین کا بیان ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی کتاب تھی جو حکم کے مطالعہ میں نہ آئی ہو یا جسپر حکم نے مصنف کتاب کا نسب اور سال وفات نہ لکھا ہو اسکے علاوہ اکثر کتابوں پر اسکے لکھے ہوئے ایسے مفید اور نادر علمی فوائد ہوتے تھے جو حکم کے سوا اور کسی کے قلم سے نکل نہیں سکتے تھے۔[1]

اس کتب خانہ میں فلسفہ کی اکثر تصنیفات ممالک مشرقیہ سے منگوا کر جمع کی گئی تھیں اور یہ کتابیں فلسفہ کی ترویج کا بڑا سبب ہوئیں[2] حکم کے بعد اسکا جانشین ہشام اگرچہ فلسفہ کا دشمن نکلا اور اسکے بعد ایک مدت تک کسی نے فلسفہ کی سرپرستی نہ کی لیکن حکم نے فلسفہ دانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا تھا جسکا سلسلہ اخیر زمانہ تک برابر قائم رہا احمد اور عمر دو حقیقی بھائی سنہ ۳۳۰ھ میں تحصیل علم کے لئے بغداد گئے اور سنہ ۳۵۱ہجری میں یعنے حکم کی تخت نشینی کے ایک برس بعد وہاں سے واپس آئے حکم نے دونوں کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا ایک اور مشہور فاضل محمد بن عبدون الجبلی نے بھی اس غرض سے سنہ ۳۴۷ھ میں ممالک مشرقیہ کا سفر کیا اور ابو سلیمان محمد بن طاہر بن سیستانی سے جو اس زمانے کا سب سے بڑا منطق داں تھا منطق کی تحصیل کی وہ سنہ ۳۶۰ہجری میں اندلس کو واپس آیا اور حکم نے اسکو طبابت کی خدمت دی حکم کے دربار

[1] یہ حالات نفح الطیب اور پروفیسر رینان کی کتاب سوانح عمری ابن رشد میں تفصیل سے مذکور ہیں ۱۲
[2] ابن ابی اصیبعہ ترجمہ
ابو عبد الله الکتانی [illegible]

میں بہت سے فلسفہ داں تھے جن میں سے احمد بن حکم بن حفصوں اور ابو بکر احمد بن جابر خاص شہرت رکھتے تھے ان لوگوں نے خود اور بواسطہ در واسطہ انکے شاگردوں نے فلسفہ دانوں کا ایک مستقل خاندان قائم کردیا یہانتک کہ ابو عبد اللہ الکتانی جنے سنہ ۴۲۰ہ ہجری میں انتقال کیا اسنے جب منطق کی تکمیل کرنی چاہی تو محمد بن عبدون جبلی کے علاوہ فلسفہ دانوں کی ایک جماعت کثیر مثلاً عمر بن یونس، احمد بن حکم، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم القاضی ابو عبد اللہ محمد بن مسعود محمد بن میموں، ابو القاسم فید بن نجم، سعید بن فتحون ابو الحارث اسقف، ابو مرین بجائی، موجود تھے اور ابو عبد اللہ نے ان سب کی شاگردی کا فخر حاصل کیا،

ایک خاص واقعہ جو اس سلسلہ میں لحاظ کے قابل ہی یہ ہی کہ حکم نے مسلمانوں کے ساتھ یہود و نصاری کی بھی سرپرستی کی اُس نے اکثر علمائے یہود و نصاری کو دربار میں جگہ دی اور ان کو اس رتبہ تک پہونچایا کہ وہ اپنے مذہبی علوم میں بغداد کے بھی دست نگر نہ رہے۔

ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہی کہ حکم کے زمانہ تک اسپین کے یہودی اپنے مذہبی رسوم اور مسائل فقہیہ میں بغداد کے یہود کے محتاج تھے۔ اور وہیں سے فتوے منگواتے تھے، لیکن جب خلیفہ حکم نے حسدای بن اسحاق کو جو ایک نامور یہودی عالم تھا دربار میں داخل کیا اور دولت و مال سے مالامال کردیا تو اس نے مشرقی ممالک سے زر خطیر صرف کرکے تمام مذہبی تاریخیں منگوائیں اور اسوقت سے اسپین کے یہود بغداد سے بے نیاز ہوگئے۔

حکم کے طرز عمل نے تعلیم کے دائرہ کو نہایت وسیع کردیا، یعنی مسلمان یہود و نصاری سب میں فلسفہ و معقولات کی تعلیم پھیل گئی ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان فرقوں میں باہم علمی تعلقات قائم ہوگئے یہود و نصاری پہلے بھی مسلمانوں کی شاگردی سے عار نہ رکھتے تھے لیکن اب مسلمانوں کو بھی غیر مذہب والوں کی شاگردی سے عار نہ رہا۔

بہت سے نامور علمائے اسلام کے حالات میں تم پڑھوگے کہ وہ طب اور فلسفہ میں عیسائی علماء کے شاگرد تھے ان باتوں سے وسعت علمی کے علاوہ بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فلسفہ کو ایک محفوظ جائے پناہ مل گئی کیونکہ فلسفہ کے تعلم و تعلیم پر جو برہمی ظاہر ہوتی تھی وہ مسلمانوں تک محدود تھی عیسائیوں اور یہودیوں سے کوئی تعرض نہ کرسکتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکم کے بعد جب فلسفہ کا کوئی سرپرست نہ رہا اور فلسفہ کی آزادانہ تعلیم بند ہوگئی تو اس کا اثر یہود اور نصاری پر نہ پڑسکا اور وہ بدستور فلسفہ کی تعلم و تعلیم میں مصروف رہے کیونکہ غیر مذہب والوں کو اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ ہر قسم کی آزادی حاصل رہی اسلئے وہ جو کچھ چاہتے تھے پڑھتے پڑھاتے تھے انسے کوئی تعرض

حکم کے بعد کئی صدیوں تک فلسفہ شاہانہ عنایت سے محروم رہا یہانتک کہ موحدین کی سلطنت قائم ہوئی یہ سلطنت محمد بن تومرت نے قائم کی تھی جو امام غزالی کا شاگرد تھا اور بڑا عالم تھا اسوقت تک اسپین کا شاہی مذہب فقہ میں مالکی اور عقائد میں حنبلی یا مجسمی تھا موحدین کی سلطنت جب قائم ہوئی تو چونکہ بانی سلطنت اشعری

تھا سلطنت کا مذہب بھی اشعری قرار دیا گیا، اشعری مذہب میں امام غزالی کی وجہ سے معقولات کا کسی قدر
رنگ آگیا تھا، اسلئے فلسفہ کے ساتھ وہ تعصب نہ رہا، عبدالمومن نے جو اس سلسلہ کا سب سے پہلا بادشاہ تھا
علوم و فنون پر شاہانہ حوصلہ سے توجہ کی اور عبدالملک بن زہر کو جو اس زمانہ کا بہت بڑا عالم تھا اپنے خاص مقربین
میں داخل کیا، عبدالمومن کے بعد اسکے جانشین یوسف بن عبدالمومن نے جو ۵۵۸ھ ہجری میں تخت نشین ہوا حکم ا
ماموں الرشید کا زمانہ یاد دلا دیا، وہ خود بہت بڑا عالم تھا، علوم عربیہ میں کوئی شخص اسکا ہمسر تھا، صحیح بخاری زبانی یاد
تھی فقہ میں بھی اچھی مہارت رکھتا تھا، ان علوم سے فارغ ہو کر اسنے فلسفہ پر توجہ کی فلسفہ کی تصنیفات دور دور سے
منگوائیں اور ابن طفیل کو جو فلسفہ میں بو علی سینا کا ہمسر تھا ندیم خاص مقرر کر کے اس خدمت پر مامور کیا کہ تمام اطراف
و دیار سے علما و اہل فن طلب کئے جائیں اور انکو علمی خدمتیں دیجائیں ابن طفیل نے جو ایمہ فن جمع کئے ان میں ایک نامور
ابن رشد بھی تھا۔ ان واقعات سے تم نے اندازہ کیا ہوگا کہ ابن رشد نے جس زمانہ میں نشو و نما پایا ملک میں فلسفیانہ
مذاق کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسکے علاوہ اور متعدد اسباب تھے جنکی وجہ سے اسکو فلسفہ کی طرف رغبت ہوئی اس نے
جن اساتذہ سے فقہ اور طب کی تعلیم پائی تھی ان میں سے اکثر فلسفہ سے آشنا تھے ابو جعفر بن ہارون جسکی خدمت
سے اسنے مدتوں استفادہ کیا علوم عقلیہ کا بہت بڑا ماہر تھا، ابوبکر بن عربی جو علم فقہ میں اسکے استاد اور امام غزالی
کے شاگرد تھے، علم کلام کے تعلق کی وجہ سے فلسفہ سے آشنا تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابن رشد کو ابتدائے تحصیل ہی میں فلسفہ کا شوق پیدا ہو گیا تھا، ابن ابی اصیبعہ نے ابن باجہ
کے حال میں لکھا ہے کہ ابن رشد نے اسکی شاگردی کی ہے، ابن باجہ نے ۵۳۳ھ ہجری میں وفات پائی ابن رشد ۵۲۰ھ
میں پیدا ہوا تھا اس بنا پر ابن باجہ کی وفات کے وقت ابن رشد کی عمر صرف ۱۳ برس کی تھی۔

ابن رشد کے شیوخ فلسفہ میں سے ابن باجہ کے حالات خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہیں کیونکہ اس سے ابن رشد
کی علمی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

ابن باجہ کا نام محمد بن یحییٰ بن باجہ ہے وہ سرقسطہ (سرگوسہ) میں پیدا ہوا اور یہیں اسکی تعلیم و تربیت ہوئی
آغاز شباب ہی میں اسکے فضل و کمال کی یہ شہرت ہوئی کہ ابوبکر بن ابراہیم صحراوی رئیس سرقسطہ نے اس کو
اپنا وزیر مقرر کیا، لیکن ابن باجہ کی شہرت جس قدر فلسفیانہ مذاق میں بڑھتی جاتی تھی اسی قدر عوام اسکی طرف
سے بدظن ہوتے جاتے تھے اس زمانہ میں امرائے بنو ہود اس وصف میں مشہور تھے کہ وہ حکما اور فلاسفہ کی قدردانی
کو عوام کی رضامندی پر مقدم رکھتے تھے ابوبکر کو امرائے بنو ہود سے ہمسری کا دعویٰ تھا اسلئے اس نے بھی چند
روز تک عوام کی پروا نہ کی لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اہل فوج تک برہم ہو گئے اور ایک جماعت کثیر ترک ملازمت کر کے
چلی گئی، مجبوراً ابن باجہ کو یہ دربار چھوڑنا پڑا اور مراکش جا کر ملثمین کے دربار میں ملازمت اختیار کی یہاں اس کی

بہت قدر ہوئی لیکن موت نے جلدی کی اور ۵۲۳ھ ہجری میں انتقال کر گیا، آثار الادھار میں امیر رکن الدین بیبرس کی کتاب زبدۃ الفکرۃ فی تاریخ الہجرۃ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے حسد سے اسکو زہر دیدیا یہ روایت صحیح ہو یا نہو لیکن اس قدر مسلم ہے کہ عوام اسکی جان کے دشمن ہوگئے تھے علامہ ابن ابی صبیعہ لکھتے ہیں کہ

بلی بمحن کثیرۃ و شناعات من العوام وقصد واھلاکہ مرات اسکو بہت سی مصیبتیں پیش آئیں اور عوام اسکو برا بھلا کہتے تھے اور چند بار لوگوں

ابن باجہ کو علوم عقلیہ میں جو کمال حاصل تھا اسکے لحاظ سے وہ اندلس کا ارسطو کہا جا سکتا ہے ممالک شرقیہ میں بھی فارابی اور یعقوب کندی کے سوا کوئی اس کا ہمپایہ نہیں پیدا ہوا علوم و فنون کو اُسنے جو ترقی دی اسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن اسکو اجمالاً ان عنوانوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ارسطو کی تصنیفات کی شرحیں لکھیں (۲) فلسفہ کی شاخوں پر مستقل کتابیں لکھیں جنمیں اپنی ذاتی تحقیقات درج کیں (ان تصنیفات کا ذکر تفصیل کیساتھ طبقات الاطبا میں موجود ہے) (۳) امام غزالی کے برخلاف ثابت کیا کہ علوم نظریہ ادراک حقائق کے لئے کافی ہیں، علوم کشفیہ کی ضرورت نہیں (۴) موسیقی پر نہایت محققانہ کتاب لکھی اور بہت سے راگ خود ایجاد کئے۔

ابن باجہ نے جس کام کو شروع کیا ابن رشد نے اسکو انجام تک پہونچا دیا اور یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ شاگرد نے استاد ہی کی رہنمائی سے اس پر خطر وادی میں قدم رکھا اور یہ منزل طے کی۔

اس موقع پر یہ واقعہ افسوس کے ساتھ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ ابن باجہ کی تصنیفات سے اسلامی کتب خانے بالکل خالی ہیں۔ البتہ یورپ میں کچھ کچھ پتہ چلتا ہے منطق میں اسنے جو رسالے لکھے تھے وہ اسپین کے کتب خانے اسکوریال میں محفوظ ہیں ایک رسالہ جسکا نام الوداع ہے اسکا ترجمہ جو یہودیوں نے عبرانی زبان میں کیا تھا فرانس کی پبلک لائبریری میں موجود ہے، حیوۃ المعتزل اسکی مشہور کتاب خود ناپید ہے، لیکن موسی یہودی نے شرح رسالہ حی بن یقظان میں اس سے اکثر فوائد نقل کئے ہیں۔

عہدہ قضا اور دربار سے تعلقات

اوپر گذر چکا ہے کہ ابن رشد کا دادا قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھا اس تعلق سے ابن رشد کو آغاز شباب ہی میں قضا کی خدمت مل گئی وہ اشبیلیہ کا قاضی مقرر ہوا پھر ابو محمد بن مغیث قاضی قرطبہ کے مرنے پر قرطبہ (کارڈوا) کے قضا کی خدمت ملی اس خدمت کو جس خوبی سے اسنے انجام دیا، اسکی شہرت نے اسکو دربار شاہی تک پہونچا دیا۔

یہ موحدین کی سلطنت کا زمانہ تھا اور اس سلسلہ کا پہلا فرمان روا عبد المومن سریر آرائے سلطنت تھا عبد المومن

---

[1] ابن باجہ کا حال ابن ابی صبیعہ نے لکھا ہے لیکن نہایت مختصر ہے آثار الادھار میں تفصیل ہے لیکن اسکا ماخذ مشرقی کتابیں نہیں بلکہ یورپ کی تصنیفات ہیں نفح الطیب میں اس قدر لکھا ہے کہ وہ فن موسیقی میں ابو نصر فارابی کا ہمسر ہے اور اسپین میں جو راگ مشہور ہیں اسی کی ایجاد ہیں۔

خود ایک فاضل شخص تھا محمد بن تومرت کے فیض صحبت سے جو امام غزالی کا شاگرد تھا اسکا فضل و کمال اور زیادہ ترقی کر گیا تھا ابن رشد کی دیانت اور کمالات علمی کا حال جب اسکو معلوم ہوا تو دربار میں بلا کر اپنے خاص ندیموں میں شامل کیا اور قضا کی خدمت بھی بحال رہنے دی ۵۴۸ھ ہجری میں جبکہ اسکی عمر ۲۷ برس کی تھی وہ قاضی القضاۃ مقرر ہوا یعنی اندلس سے لیکر مراکو تک کے کل علاقے اسکی قضا کے حدود میں آگئے وہ ان تمام مقامات کا دورہ کرتا تھا اور دیوانی عدالتوں کی نگرانی کرتا تھا وہ اپنی تصنیفات میں اکثر بقید سال و تاریخ ان واقعات کا ذکر کرتا ہے جو زمانہ تصنیف میں پیش آئے ان واقعات کی ترتیب دینے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس کس سنہ میں وہ کہاں کہاں تھا عبدالمومن نے ۵۵۸ھ ہجری میں قضا کی اور اس کا بیٹا یوسف[۱] تخت نشین ہوا یوسف بہت بڑا فاضل اور بلند حوصلہ بادشاہ تھا عبدالمومن نے اسکی تربیت میں تیغ و قلم دونوں کا اہتمام کیا تھا، جو لوگ تیغ و قلم کے فن میں یکتائے زمانہ تھے، اسکی تعلیم و تربیت پر مامور کیے اسی کا اثر تھا کہ یوسف دونوں میدانوں میں اپنے حریفوں سے آگے نظر آتا ہے۔ اس زمانہ میں عیسائیوں نے ٹالیڈو (طلیطلہ) کو دار السلطنت قرار دیکر اسپین کے اکثر اضلاع مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لئے تھے یوسف نے اپنے زور بازو سے اکثر اضلاع واپس لئے لیکن اس مضمون میں ان واقعات کی تفصیل کا موقع نہیں یہاں صرف اسکے علمی حالات بیان کئے جا سکتے ہیں،

وہ اگرچہ اکثر علوم و فنون میں کمال رکھتا تھا لیکن فلسفہ اور عقلیات کی طرف خاص میلان تھا اسی بنا پر اسنے ابن طفیل کو جو علوم عقلیہ میں ابن سینا کا ہم پایہ تھا ندیم خاص اور صیغہ علمی کا افسر مقرر کیا ابن طفیل نے اسکے حکم کے مطابق دور دور سے ہر فن کے حکما اور فضلا دربار میں طلب کئے ان میں ایک ہمارا نامور ابن رشد بھی تھا،[۲]

ابن رشد جس کیفیت کے ساتھ دربار میں داخل ہوا ہے اس کی کیفیت اس نے خود بیان کی ہے وہ کہتا ہے کہ[۳]

"جب میں دربار میں داخل ہوا تو ابن طفیل بھی حاضر تھا اس نے امیر المومنین یوسف کے حضور میں مجکو پیش کیا اور میرے خاندانی اعزاز اور میری ذاتی لیاقت کو نہایت آب و تاب سے بیان کیا، یوسف میری طرف مخاطب ہوا پہلے میرا نام و نسب پوچھا پھر کہا کہ حکما عالم کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ یعنے انکے نزدیک عالم قدیم ہے یا حادث یہ سوال سنکر میں ڈر گیا اور چاہا کہ بلطائف الحیل اس سوال کو ٹال جاؤں، چنانچہ میں نے کہا کہ میں فلسفہ سے واقف نہیں یوسف مجھکو بد حواس دیکھکر ابن طفیل کی طرف متوجہ ہوا، اور اس مسئلہ پر بحث کرنی شروع کی ارسطو اور افلاطون اور دیگر حکما نے جو کچھ اس مسئلہ کے متعلق لکھا ہے بہ تفصیل بیان کیا پھر متکلمین اسلام نے حکما کی رائے پر جو اعتراضات کئے ہیں ایک ایک کر کے بیان کئے ہیں یہ حالت دیکھکر میرا خوف جاتا رہا لیکن مجھکو سخت تعجب ہوا

---

[۱] حاشیہ متعلقہ صفحہ ۳۶ ابن خلکان کی روایت کے موافق عبدالمومن نے ۵۴۱ھ ہجری میں مراکش پر قبضہ کیا اور ۵۴۳ھ میں ملثمین کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اسلئے عبدالمومن کی سلطنت کا آغاز ۵۴۲ھ سے سمجھنا چاہیے [۱] ابن خلکان تذکرہ یوسف بن عبدالمومن [۲] ابن خلکان تذکرہ یوسف.

کہ ایک بادشاہ علوم عقلیہ میں یہ دستگاہ رکھتا ہی جو طبقۂ علما میں بھی شاذ و نادر کسی کو حاصل ہوتی ہی تقریر سے فارغ ہو کر انہوں نے پھر میری طرف توجہ کی اب میں نے آزادی کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کئے جب دربار سے رخصت ہوا تو مجھکو خلعت زر نقد اور سواری کا گھوڑا عنایت کیا۔

فلسفہ کے سلسلہ میں ابن رشد کا جو بڑا کارنامہ ہی وہ تصنیفات ارسطو کی شرح ہی اس کارنامہ کا اصلی باعث یوسف تھا خود ابن رشد کا بیان ہی کہ ابن طفیل نے مجھکو بلا بھیجا اور کہا کہ آج امیر المومنین (یوسف) اس بات پر افسوس کرتے تھے کہ ارسطو کا فلسفہ نہایت دقیق ہی اور مترجموں نے ترجمہ اچھا نہیں کیا کاش کوئی قابل شخص اس کام پر آمادہ ہوتا اور فلسفہ ارسطو کو سطح آسان کرکے ادا کرتا کہ لوگ آسانی سے اسکو سمجھ سکتے یہ کہکر ابن طفیل نے ابن رشد سے کہا کہ میری تو اب عمر نہیں رہی۔ اسکے علاوہ امیر المومنین کی خدمت سے فرصت نہیں ہوتی تم اس بار کو اٹھالو اور تمہیں اس کام کو انجام بھی دے سکتے ہو۔ ابن رشد کا بیان ہے کہ اسی دن سے میں نے اس کام کی ابتدا کی

یوسف نے ۵۸۰ھ ہجری میں وفات پائی اور اسکا بیٹا یعقوب منصور تخت نشین ہوا وہ نہایت اولوالعزم بادشاہ تھا، موحدین کی سلطنت اسکے زمانے میں انتہائے کمال کو پہونچ گئی اسکی وسعت فتوحات اور جاہ و جلال کی داستان گو نہایت دلچسپ ہی لیکن اسکا یہ محل نہیں، علمی مرحلے میں اسنے جو کام کئے ان میں سے ایک یہ ہی کہ فقہا کو حکم دیا کہ کسی مجتہد یا امام کی تقلید نکریں بلکہ خود اپنے اجتہاد سے کام لیں عدالتوں میں فقہ کی پابندی اٹھادی چنانچہ جو فیصلہ کیا جاتا تھا قرآن حدیث، اجماع اور قیاس سے کیا جاتا تھا ابن خلکان نے منصور کے حالات میں جہاں اس واقعہ کا ذکر کیا ہی لکھا ہی کہ ہمارے زمانے میں مغرب سے جو علما آئے مثلاً ابوالخطاب ابن وحیہ ابوعمرو محی الدین عربی وغیرہ سب کا یہی طریقہ تھا یعنی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، منصور نے جیسا کہ اسکی علم پروری کے لحاظ سے توقع کی جاسکتی ہی ابن رشد کی نہایت قدر دانی کی ۵۹۱ھ ہجری میں جب الفانس کے مقابلہ کے لئے جارہا تھا ابن رشد کو وداعی ملاقات کے لئے دربار میں طلب کیا اور اس قدر تعظیم و تکریم کی کہ تمام دربار کو حیرت ہوئی، ارکان سلطنت میں سب سے زیادہ تقرب عبد الواحد کو حاصل تھا جو منصور کا داماد اور ندیم خاص تھا دربار کی ترتیب میں اسکا تیسرا نمبر تھا لیکن ابن رشد اس سے بھی آگے بڑھا یعنی منصور نے اسکو بلاکر خاص اپنے پہلو میں جگہ دی اور دیر تک باتیں کرتا رہا ابن رشد جب دربار سے واپس آیا تو دوستوں نے بڑے جوش و خروش سے اسکو مبارکباد دی لیکن انجام میں حکیم نے بجائے اسکے کہ مسرت کا اظہار کرے افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ یہ خوشی کا موقع نہیں بلکہ رنج کا ہی کیونکہ دفعۃً اس درجہ کا تقرب برے نتائج پیدا کریگا، اور افسوس ایسا ہی ہوا۔

ابن رشد کی تباہی سلاطین اسلام میں منصور اور اسکا ہمعصر سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس اپنے زمانہ میں اسلام کے مایہ ناز تھے اتفاق سے ان دونوں کو اہل کمال بھی ایسے ہاتھ آئے تھے جن پر آجتک اسلام کو ناز ہی یعنی ابن رشد

اور شیخ الاشراق لیکن زمانہ کی نیرنگیاں دیکھو وہی صلاح الدین جسکا دامن انصاف ہر قسم کے داغ سے پاک ہے، شیخ الاشراق کا قاتل ہے!! اور وہی منصور جو عدل و انصاف کا پیکر مجسم تھا ابن رشد کا برباد کنندہ ہے۔

ابن رشد کی تباہی اور بربادی چونکہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے اسلئے مورخین نے اسکے اسباب کی تحقیق میں بہت جد وجہد کی ہے اور مختلف مورخوں نے مختلف اسباب بتلائے ہیں ایک روایت یہ ہے کہ ابن رشد کی عادت تھی کہ جب دربار میں منصور کسی علمی مسئلہ کے متعلق بحث کرتا تھا تو منصور کو برادرمن کہکر خطاب کرتا تھا اس سے بڑھکر یہ کہ ارسطو کی کتاب الحیوانات کی جو شرح لکھی ہے اس میں زرافہ کے ذکر میں لکھا کہ میں نے اس جانور کو بادشاہ بربر (یعنے منصور) کے یہاں دیکھا ہے یہ معمولی طریقہ خطاب منصور کی صریحی توہین تھی[1]

یہ روایت اسلئے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ منصور بالطبع نہایت فخر پسند اور جاہ طلب تھا یورپ نے بیت المقدس کو جب مسلمانوں کے ہاتھ سے چھیننا چاہا اور اس ارادہ سے یورپ کے ہر حصے سے فوجوں کا بادل اٹھکر بیت المقدس کی طرف بڑھا تو صلاح الدین نے منصور کے پاس قاصد بھیجا کہ یہ اسلام کی حمایت کا وقت ہے۔

منصور ہر طرح اعانت دینے کے قابل تھا اور اعانت دینا چاہتا بھی تھا لیکن اتنی بات پر برہم ہو گیا کہ صلاح الدین نے خط میں اسکو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا[2]

صلاح الدین کا تو صرف یہ قصور تھا کہ اسنے منصور کو تمام دنیا کا امیر المومنین نہیں مانا ابن رشد نے یہ غضب کیا کہ منصور کو صرف بربر کے بادشاہ کے لقب سے یاد کیا اس سے بڑھکر منصور کی کیا اہانت ہو سکتی تھی۔

اکثر مورخین کا بیان ہے کہ ابن رشد کی بربادی کا سبب منصور کا مذہبی تعصب تھا اور ظاہر حالات بھی اسکے مقتضی ہیں کیونکہ ابن رشد پر جو فرد قرارداد جرم لگائی گئی تھی وہ الحاد اور بیدینی۔

حقیقت یہ ہے کہ موحدین کی سلطنت کی بنیاد مذہب کے سطح پر قائم ہوئی تھی اس سلسلہ کا بانی محمد بن تومرت امامت اور مہدویت کا مدعی تھا اور اسی حیثیت سے اسنے سلطنت کی بنیاد قائم کی تھی سلطنت کا صدر مقام مراکش تھا جو صحرا نشین بدوں کا گویا کعبہ تھا اور جہاں ہر طرف بدویت اور سادہ عربیت کے آثار نظر آتے تھے فوجی اور ملکی ارکان ٹھیٹ مذہبی خیال کے لوگ تھے سلطنت کی ملکی قوت محض اسبات پر موقوف تھی کہ مذہبی جوش کا رنگ قائم رکھا جائے عیسائیوں نے اسپین کے اکثر حصے دبالئے تھے انکے مقابلہ میں صرف مذہبی جوش کی قوت سے عہدہ برائی ہو سکتی تھی اور منصور نے جو اس سلسلہ کا تیسرا تاجدار تھا اسی قوت سے کام لیکر عیسائیوں پر عظیم الشان فتوحات حاصل کی تھیں ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دربار فقہا اور محدثین کے ہاتھ میں تھا اور تمام ملک پر انہیں کے خیالات چھا گئے تھے۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے ابن رشد نے فلسفہ پر توجہ کی اور اس طرح کہ ارسطو کو اپنا امام اور پیشوا قرار دیا اسکی

[1] ابن ابی اصیبعہ تذکرہ ابن رشد، [2] ابن خلکان تذکرہ یعقوب منصور،

امام تصنیفات کی تہذیب و ترتیب کی ان پر شرحیں لکھیں اور بہت سے مسائل کی جو جمہور اسلام کے خلاف تھے حمایت کی ان میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ افلاک قدیم و ازلی ہیں خدا نے انکو نہیں پیدا کیا بلکہ خدا صرف انکی حرکت کا خالق ہے ابن رشد نے صرف یہی نہیں کیا کہ فلسفہ میں تصنیفات و تالیف کیں اور فلسفیانہ مسائل کی اشاعت کی بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا کہ اسلامی عقائد کی صحیح تشریح وہی ہے جو ارسطو کے مسائل کے موافق ہے اس سے بڑھکر یہ کہ اشاعرہ کے عقائد کو نہایت زور شور کے ساتھ باطل کیا اور ثابت کیا کہ یہ عقائد عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہیں اس موقع پر یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ موحدین خود اشعری تھے اور انھوں نے اس مذہب کو شاہی مذہب قرار دیا تھا ان سب پر یہ اضافہ ہوا کہ ابن رشد نے امام غزالی کی تہافۃ الفلاسفہ کا رد لکھا اور اس کتاب میں اکثر جگہ امام صاحب کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے حالانکہ امام غزالی موحدین کے پیران پیر تھے کیونکہ وہ محمد بن تومرت کے استاد تھے اور محمد بن تومرت موحدین کا امام اور انکی سلطنت کا بانی تھا۔

فلسفہ کا رنگ ابن رشد پر اس قدر غالب آگیا تھا کہ بعض اوقات بے اختیار اسکی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے جو عام عقائد کے خلاف ہوتے تھے انصاری نے ابو محمد عبدالکبیر سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ منجموں نے پیشین گوئی کی کہ اس سال نہایت سخت ہوا کا طوفان آئیگا جس سے ہزاروں آدمی ہلاک ہو جائیں گے عوام پر اس پیشین گوئی کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے تہ خانے تیار کرائے اور تمام ملک میں نہایت سخت پریشانی پھیل گئی یہانتک کہ خود سلطنت کو اسکی طرف متوجہ ہونا پڑا دربار میں ایک بڑا مجمع ہوا اور تمام علما اور فضلا طلب کئے گئے ان میں ابن رشد بھی تھا دربار سے لوگ واپس آئے تو میں نے ابن رشد سے کہا کہ اگر یہ پیشین گوئی صحیح نکلی تو یہ دوسرا طوفان ہوگا کیونکہ قوم عاد کے بعد اس قسم کا طوفان کبھی نہیں سنا گیا ابن رشد بے اختیار جھلا کر بولا خدا کی قسم قوم عاد کا وجود ہی ثابت نہیں طوفان کا کیا ذکر ہے اس پر تمام لوگ سخت حیرت زدہ ہوگئے۔

ابن رشد کی یہ تمام باتیں اگر اسکی ذات تک محدود رہتیں تو چنداں شورش نہ ہوتی لیکن وہ قاضی القضاۃ تھا فقیہہ تھا، طبیب تھا اور یہ سب تعلقات اس قسم کے تھے کہ اسکے معتقدات اور خیالات تمام ملک میں پھیل جاتے تھے ان واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک میں ایک آگ سی لگ گئی ابن رشد سے جن لوگوں کو حسد تھا اس سے بڑھکر کیا موقع مل سکتا تھا ان لوگوں نے اس آگ کو اور بھڑکایا نوبت یہانتک پہونچی کہ اگر منصور علانیہ ابن رشد سے باز پرس نہ کرتا تو رعایا اسکی طرف سے بدگمان ہو جاتی غرض منصور نے حکم دیا کہ ابن رشد مع اپنے شاگردوں اور پیروں کے مجمع عام میں حاضر کیا جائے چنانچہ قرطبہ کی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع ہوا جس میں ابن رشد ایک مجرم کی حیثیت سے لایا گیا اس مجمع میں تمام فقہا اور علما شریک تھے سب سے پہلے قاضی ابو عبداللہ بن مروان نے تقریر کی اور کہا کہ ہر چیز میں نفع اور ضرر دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اس بنا پر نافع اور مضر ہونے کا فیصلہ نفع یا ضرر

سے اعتبار سے کیا جاتا ہے قاضی ابو عبداللہ کے بعد ابو علی بن حجاج نے جو خطیب تھے کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ ابن رشد ملحد اور بیدین ہوگیا ہے، یہ سب ہوا لیکن اسلامی آزادی اور فراخ حوصلگی کا پھر بھی اتنا اثر تھا کہ یورپ کی مجلس انکوزیشن کی طرح یہ فتویٰ نہیں دیا گیا کہ مجرم زندہ جلا دیا جائے بلکہ صرف اس سزا پر قناعت کی گئی کہ وہ کسی علیحدہ مقام میں بھیجدیا جائے، حاسدوں نے یہ بھی شہادت دی تھی کہ ابن رشد کے خاندان کا کچھ پتہ نہیں چلتا کیونکہ سپین میں جو قبائل آباد ہیں ابن رشد کو کسی سے خاندانی تعلق نہیں ہے اسکا تعلق اگر ہے تو بنی اسرائیل کے خاندان سے ہے اس بنا پر یہ قرار پایا کہ وہ موضع لوسینا[۱] میں بھیجدیا جائے کیونکہ یہ خالص بنو اسرائیل کی بستی تھی اور انکے سوا اور کوئی قوم یہاں سکونت نہیں رکھتی تھی۔

چونکہ اصلی غرض عوام کو مطمئن کرنا تھا اس لئے منصور نے ایک فرمان لکھوا کر تمام ملک میں شائع کرایا جسمیں اس واقعہ کا اجمالاً اور ملاحدہ کی داروگیر کا تفصیلاً ذکر تھا۔

فرمان کی ابتدائی عبارت یہ ہے قد کان فی سالف الدھر قوم خاضوا فی بحور الاوھام واقر لھم عوامھم بشفوف علیھم فی الافھام حیث لا داعی یدعوا الی الحی القیوم ولا حاکم یفصل بین المشکوک فیہ والمعلوم فخلدوا فی العالم صحفا مالھا من خلاق مسودۃ المعانی والاوراق بعدھا من الشریعۃ بعد المشرقین وتباینھا تباین الثقلین یوھمون ان العقل میزانھا والحق برھانھا وھم یتشعبون فی القضیۃ الواحدۃ فرقا ویسیرون فیھا شواکل وطرقا الخ

چونکہ فرمان کی عبارت فضول مکرر قوافی اور حشو و زوائد سے بھری ہوئی ہے اسلئے ہم نے اسکا لفظی ترجمہ نہیں کیا مضمون کا خلاصہ یہ ہے۔

زمانہ قدیم میں کچھ لوگ ایسے تھے جو وہم کے پیرو تھے تاہم عوام انکے کمال عقلی کے گرویدہ ہوگئے تھے ان لوگوں نے اپنے خیال کے موافق کتابیں تصنیف کیں جو شریعت سے اسقدر دور تھیں جسقدر مشرق مغرب سے دور ہے ہمارے زمانے میں بعض لوگوں نے انھیں ملاحدہ کی پیروی کی اور انھیں کے مذاق پر کتابیں لکھیں یہ کتابیں بظاہر قرآن مجید کی آیتوں سے آراستہ ہیں لیکن تہ میں الحاد اور زندقہ ہے جب ہمکو ان حالات کی خبر ہوئی تو ہم نے انکو دربار سے نکالدیا اور حکم دیا کہ انکی تصنیفات جہاں ہاتھ آجائیں جلادی جائیں۔ عوام میں جو برہمی پھیل گئی تھی اسکے روکنے کے لئے یہ تدبیر بھی کافی نہ تھی منصور نے ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا کہ فلسفہ اور منطق کی تصنیفات ہر جگہ سے مہیا کی جائیں اور جلادی جائیں چنانچہ سیکڑوں ہزاروں کتابیں آگ کی نذر ہوئیں[۲] منصور نے یہ سب کچھ کیا لیکن وہ خود فلسفہ داں اور فلسفہ پرست تھا اسلئے فلسفہ کی یہ تباہی اور بربادی اسکو دل سے گوارا نہ ہوسکتی تھی تدبیر یہ اختیار کی کہ اس محکمہ کا افسر حفید ابوبکر بن زہر کو مقرر کیا جو خود بہت بڑا فلسفہ کا شیفتہ تھا علامہ ابن ابی اصیبعہ

[illegible]

ابو بکر بن زہر کے حال میں لکھا ہی کہ اس سے منصور کی غرض یہ تھی کہ ابو بکر بن زہر کے پاس فلسفہ او منطق کی جو کتابیں آئین گی وہ برباد ہونیسے محفوظ رہجائیں گی ابن زہر نے تمام کتب فروشوں کے پاس حکم بھیدیا کہ فلسفہ کی جسقدر کتابیں موجود ہوں فوراً یہاں بھیجدی جائیں اور جو لوگ فلسفہ کی تحصیل میں مصروف ہوں انکو سزا دیجائی ابن زہر کا حکم منصور کا حکم تھا اسلئے ضرور اسکی تعمیل ہوئی ہوگی لیکن ابن زہر نے ان کتابوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا اسکا فیصلہ تم خود کر سکتے ہو ؏ قاصد رقیب بودہ و من غافل از فریب ✽ بیدرد مدعای خود انہ میانہ ساخت ✽ عام لوگ اس نکتہ کو نسمجھے لیکن اشبیلیہ میں ایک شخص رہتا تھا جو ابن زہر کا پرانا دشمن اور حاسد تھا اُسنے اس مضمون کا ایک محضر تیار کیا کہ ابن زہر خود فلسفہ کا بڑا حامی ہی اور اسکے گھر میں اس فن کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں جو رات دن اُسکے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ محضر پر بہت سے لوگوں کے دستخط کرلیے اور منصور کے پاس بھیجا منصور نے محضر کو پڑھکر حکم دیا کہ عرضی دہندہ قید خانہ میں بھیجدیا جائے وہ گرفتار ہو کر قید ہوا اور تصدیق کرنیوالے ڈر کے مارے روپوش ہوگئے منصور نے لوگوں سے کہا اگر سارا اندلس جمع ہو کر شہادت دے[۱] تب بھی میں ابن زہر کی نسبت کسی قسم کی بدگمانی نہیں کرسکتا۔

ابن رشد جب جلاوطن کیا گیا تو اسکے ساتھ اور بڑے بڑے فضلا بھی شہر بدر کیے گئے یعنی ابو جعفر ذہبی ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم، قاضی بجایہ ابو الربیع الکفیف ابو العباس،

ابن رشد کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ غریب جہاں جاتا تھا ذلیل اور رسوا کیا جاتا تھا خود اسکا بیان ہی کہ سب سے زیادہ مجکو جو صدمہ پہونچا یہ تھا کہ ایک دفعہ میں اور میرا بیٹا عبد اللہ قرطبہ (کارڈوا) کی مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے کیلئے گئے لیکن نہ پڑھ سکے چند بازاریوں نے ہنگامہ مچایا اور ہم دونوں کو مسجد سے نکال دیا۔ تاج الدین کا بیان ہی کہ جب میں اندلس گیا تو ابن رشد سے ملنا چاہا معلوم ہوا کہ معتوب سلطانی ہی اور کوئی شخص اس سے مل نہیں سکتا،

ابن رشد کی گرفتاری اور ذلت پر عوام میں نہایت مسرت کا اظہار کیا گیا، شعرا نے تہنیت آمیز نظمیں لکھیں بعض اشعار یہ ہیں

لم تلزم الرشد یا ابن رشد ✽ لما علا فی الزمان جدک ✽ وکنت فی الدین ذا ریاء ✽ ما کان ھکذا کان جدک ✽

دیگر

نفذ القضاء باخذ کل مموہ ✽ متفلسف فی دینہ متزندق ✽ بالمنطق اشتغلوا فقیل حقیقۃ ✽ ان البلاء موکل بالمنطق

دیگر

تفلسفوا وادعوا علوما ✽ صاحبہا فی المعاد یشقی ✽ واحتقروا الشرع وازدروہ ✽ سفاھۃ [illegible]

منصور نے جو کچھ کیا تھا صرف ایک حکمت عملی تھی جس سے ایک عارضی ہنگامہ کا فرو کرنا مقصود تھا شورش کم ہوئی تو منصور نے پھر ابن رشد کو دربار میں بلانا چاہا اظہار حق یا منصور کی خاطر سے اشبیلیہ کے چند معزز لوگوں نے شہادت دی کہ ابن رشد پر جو تہمت لگائی گئی غلط اور افترا تھی غرض ۵۹۵ھ میں ابن رشد کی قسمت کا چاند گہن سے نکلا۔

[۱] ابن ابی اصیبعہ ذکر حفید، [۲] بیع تبر ۱۲ [۳] ابن ابی اصیبعہ ۱۲

منصور نے اسکو مراکش میں طلب کیا لیکن ع عید ہوئی ذوق مگر شام کو۔

وفات اب وقت آیا تھا کہ ابن رشد اپنے فضل وکمال کی داد پاتا اور ارسطو کی طرح اسکے تاج فضیلت پر دوست کا طرہ بھی نظر آتا لیکن بیرحم موت نے اس کا موقع نہ دیا، مراکش پہونچکر وہ بیمار ہوا اور جمعرات کی رات صفر ۵۹۵ھ ہجری مطابق ۱۱۹۸ء میں مرگیا شہر سے باہر جبانیہ ایک مقام ہی یہاں مدفون ہوا لیکن ایک مہینے کے بعد لوگوں نے قبر کھود کر ہڈیاں نکال لیں اور قرطبہ لیجاکر مقبرہ ابن عباس میں جو ابن رشد کا خاندانی قبرستان ہی دفن کیں وفات کے وقت اسکی عمر ۷۵ برس کی تھی اس واقعہ کے ایک مہینے کے بعد منصور نے بھی انتقال کیا،

ابن رشد نے کئی اولادیں چھوڑیں ایک بیٹا طب میں نامور ہوا باقی نے فقہ کی طرف توجہ کی اور عہدہ قضا پر ممتاز ہوئے

اخلاق وعادات ابن رشد کے اخلاق وعادات بالکل حکیمانہ تھے وہ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھا ایک مدت تک عہدہ قضا پر مامور اور دربار سلطنت میں مقرب رہا لیکن اپنی دولت وجاہ سے بذات خود مطلق فائدہ نہیں اٹھایا اسکو جو کچھ ملتا تھا وطن اور اہل وطن پر صرف کرتا تھا دربار شاہی کے تقرب سے بھی اس نے جو کام لیا وہ خلائق کی کاربراری اور عام نفع رسانی تھی حلم اور عفو کی یہ حالت تھی کہ ایک شخص نے اسکو مجمع عام میں برا بھلا کہا اور سخت توہین کی وہ بجائے اسکے کہ مخالف سے انتقام لیتا الٹا مشکور ہوا کہ اسکی بدولت مجھکو اپنے حلم کے جانچنے اور آزمانے کا موقع ملا چنانچہ اسکے صلہ میں کچھ روپے نذر کئے لیکن ساتھ ہی اسکو یہ نصیحت بھی کی کہ اوروں سے یہ سلوک نہ کرنا ورنہ ہر شخص اس قسم کے احسان کا قدرداں نہیں ہوتا۔

مزاج میں انتہا درجہ کا رحم تھا مدتوں قاضی رہا لیکن کبھی کسی کو قتل کی سزا نہیں دی اور ایسا ہی موقع آپڑتا تو عدالت کی مسند سے علیحدہ ہوجاتا اور کسی کو اپنا قائم مقام کردیتا۔ مطالعہ اور کتب بینی کا بے انتہا شوق تھا ابن الابار کا بیان ہے کہ تمام عمر میں صرف دو راتیں ایسی گذریں کہ وہ کتب بینی اور مطالعہ سے باز رہا ایک نکاح کی رات اور دوسری وہ رات جسمیں اسکے باپ نے وفات پائی۔ انتہا درجہ کا فیاض اور سخی تھا اسکی فیاضی دوست دشمن پر یکساں تھی کہا کرتا تھا کہ اگر میں صرف دوستوں کو دوں تو میں نے وہ کام کیا جسکو خود میرا دل چاہتا تھا احسان اور فضیلت یہ ہے کہ مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

وطن کا نہایت شیفتہ تھا افلاطون نے جمہوریت پر جو کتاب لکھی ہے اسمیں یونان کی نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہی کہ یہاں کے لوگوں کو تمام دنیا کی بہ نسبت علوم عقلیہ سے خاص مناسبت ہی ابن رشد نے اس کتاب کی شرح میں اپنے وطن اسپین کو بھی یونان کا ہم پایہ قرار دیا۔ جالینوس کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے عمدہ آب وہوا یونان کی ہی ابن رشد نے کتاب الکلیات میں برخلاف اسکے دعوی کیا کہ اس فخر کا مستحق یونان نہیں کیونکہ قرطبہ (کارڈوا) ہی

ایک دفعہ منصور کے دربار میں ابن زہر اور ابن رشد میں بحث ہوئی کہ اشبیلیہ اور قرطبہ میں کسکو ترجیح ہے ابن رشد وطن

ع ۱۱۹۸ء

اشبیلیہ کو ترجیح دیتا تھا ابن رشد نے کہا اشبیلیہ میں جب کوئی عالم مرجاتا ہی اور اسکے کتب خانے کے فروخت کرنیکی ضرورت پیش آتی ہی تو کتب خانہ کو قرطبہ میں لانا پڑتا ہے کیونکہ اشبیلیہ میں ان چیزوں کو کوئی پوچھتا نہیں لیکن قرطبہ میں جب کوئی مغنی اور کلانوت مرتا ہی تو اسکے آلاتِ موسیقی اشبیلیہ میں جاکر فروخت ہوتے ہیں ان واقعات سے دونوں شہروں کی فضیلت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

تصنیفات ابن رشد مختلف علوم وفنون میں کمال رکھتا تھا اور تمام علوم وفنون میں اس کی تصنیفات موجود ہیں ابن الابار کی روایت کے موافق اسکی کل تصنیفات کے صفحے بیس ہزار ہیں۔ جن علوم کو اسنے خاص طرح پر ترقی دی وہ فقہ طب اور فلسفہ ہیں انمیں سے فقہ اور طب کی تصنیفات کی تفصیل ہم اس موقع پر کرتے ہیں فلسفہ کی تصنیفات پر آئندہ لکھنے کا موقع ملیگا۔ وہ بہت بڑا فقیہہ تھا اور مدتوں قضا کے منصب پر ممتاز رہ چکا تھا اس تعلق سے اس نے فقہ میں حسب ذیل کتابیں لکھیں جو سب کے سب مقبول ومتداول اور فقہ مالکی کی ضروری ارکان ہیں

ہدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد اس کتاب میں اسنے ہر مسئلہ کے دلائل اور وجوہ لکھے ہیں ابوجعفر ذہبی کا قول ہی کہ فقہ میں اس سے بہتر کتاب میں نے نہیں دیکھی نفح الطیب میں ابن سعید کا قول نقل کیا ہی کہ کتاب جلیل معظم معتمد عند المالکیہ تحصیل اسمیں صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے فقہی اختلافات اور انکے دلائل لکھے ہیں اور خود محاکمہ اور فیصلہ کیا ہی مقدمات ہم نے یہ کتاب سید محمود مرحوم کے لئے کتب خانہ خدیو سے نقل کراکر منگوائی تھی خیال تھا کہ ایک فلسفی فقہ کے فن کو لکھے گا تو کیونکر لکھے گا لیکن کتاب کو پڑھکر ہمکو کچھ استعجاب نہیں ہوا بے شبہہ فقہ کی اور کتابوں کی نسبت وہ زیادہ صاف مرتب اور قریب الفہم ہی لیکن فلسفیانہ تدقیقات کا پتہ نہیں ابوزید دبوسی کی کتاب الاسرار ہم نے دیکھی ہی دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہی۔

اصول فقہ میں اسکی دو کتابیں ہیں۔ منہاج الادلۃ مستقل تصنیف ہی۔
خلاصۃ المستصفی امام غزالی نے اخیر عمر میں مستصفی ایک کتاب لکھی تھی یہ اسکا خلاصہ ہے۔

طب میں ابن رشد کی تصنیفات نہایت کثرت سے ہیں اور اس فن میں اسنے بہت کچھ اضافہ کیا ہی یہ تصنیفات دو قسم کی ہیں۔ ایک جو اسنے بطور خود لکھی ہیں انمیں کتاب الکلیات نہایت جامع اور محققانہ ہی اسکے سوا اور چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں مثلاً مقالۃ فی المزاج مقالۃ فی نوائب الحمی۔ دوسری قسم کی وہ کتابیں ہیں جو یونانی تصنیفات کا خلاصہ یا شرحیں ہیں انکی تفصیل حسب ذیل ہی شرح کتاب الاستقسات بجالینوس تلخیص کتاب المزاج بجالینوس تلخیص کتاب القوی بجالینوس تلخیص کتاب العلل والاعراض بجالینوس تلخیص کتاب التعرف بجالینوس تلخیص الحمیات بجالینوس تلخیص کتاب الادویۃ المفردۃ بجالینوس تلخیص النصف الثانی من کتاب حیلۃ البر بجالینوس۔

ابن رشد کی تصنیفات کی کثرت تنوع، جدت سے اگرچہ تحقیق وتنقید کا حس قدر جیرت خیز ہی اس سے زیادہ یہ امر

تعجب انگیز ہی کہ تمام تصنیفات نہایت کثیر الاشغالی اور پریشانی کی حالت کی ہیں وہ قاضی القضاۃ اور افسر صیغہ عدالت تھا اس تعلق سے وہ مراکو اور اسپین کے تمام بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کرتا رہتا تھا انھیں دوروں میں تصنیف و تالیف کا شغل بھی رہتا تھا کتاب الحیوان کی شرح میں خود اسنے لکھا ہی کہ یہ کتاب ماہ صفر ۵۶۵ھ ہجری میں بمقام اشبیلیہ تمام ہوئی پھر عذرخواہی کی ہی کہ اگر اس کتاب میں سہو و خطا ہو گئی ہو تو معافی کی امید ہی کیونکہ اول تو کار منصبی سے فرصت نہیں ملتی دوسرے کتب خانہ وطن میں ہی اور ضروری کتابیں تک ساتھ نہیں اسی قسم کی عذرخواہی کتاب الطبیعہ کی شرح میں کی ہی اور لکھا ہی کہ یہ کتاب رجب ۵۶۵ھ ہجری میں بمقام اشبیلیہ تمام ہوئی مجسطی کا جو اختصار کیا ہی اسمیں لکھا ہی کہ میں نے صرف اہم اور مقدم مطالب لیئے ہیں میری حالت بالکل اُس شخص کی سی ہی جسکے مکان میں آگ لگ گیا ہو اور وہ گھبراہٹ اور اضطراب میں صرف مکان کی ضروری اور قیمتی اسباب نکال نکال کر پھینک رہا ہو کتاب الالٰہیات اور کتاب البیان ۵۷۰ھ ہجری کی آغاز میں ساتھ ساتھ لکھنی شروع کی تھی ابھی اثنا میں بیمار ہو گیا اور زیست کی امید نہیں ہی اس خیال سے کتاب البیان کو چھوڑ کر الٰہیات کی تکمیل میں مصروف ہو گیا کہ کتاب البیان کے ساتھ کہیں یہ بھی رہ نہ جائے جواہر الکون پر جو رسالہ لکھا ہی وہ مراکو میں ۵۷۴ھ ہجری میں تمام ہوا لیکن ۵۷۵ھ ہجری میں پھر اشبیلیہ واپس جانا پڑا یہاں اسنے فقہ پر ایک کتاب لکھی اسی سنہ میں ابن طفیل کی وفات کی وجہ سے منصور نے اسکو مراکو میں بلا لیا اور اپنا طبیب خاص مقرر کیا۔

یہ اسباب و ذرایع کثرت اشغال پریشانی اور پراگندہ دلی کوئی چیز اسکو اپنے شغال سے نہ روک سکی اور یہ ابن رشد کی خصوصیت نہیں بزرگان اسلام میں عموماً یہ ادا پائی جاتی ہی کہ انقلابات زمانہ کی بادصرصر انکے اوراق حواس کو پریشان نہیں کر سکتی تھی امام رازی بوعلی سینا امام غزالی شہاب مقتول وغیرہ کے جو کارنامے ہیں وہ بھی اسی قسم کی بے سروسامانی اور پریشانی کے زمانہ کی یادگار ہیں۔

یورپ میں ابن رشد کی تصنیفات کی جسطرح اشاعت ہوئی اور اسکا اثر جو یورپ پر پڑا وہ ایک دلچسپ داستان ہے لیکن اسکے بیان کرنے سے پہلے مناسب ہی کہ یورپ میں عام فلسفۂ عرب کے اشاعت کی ابتدا کی مختصر کیفیت بیان کیجائے

یورپ جس زمانہ میں مسلمانوں سے صلیبی لڑائیاں لڑ رہا تھا، اُسوقت مسلمانوں کی نسبت یورپ کے عجیب عجیب خیالات تھے لیکن جب اسلامی ممالک میں اہل یورپ کا گذر ہوا اور انکو ہر طرف مسلمانوں کے علمی اور عملی ترقیوں کے عجیب غریب منظر نظر آئے تو سب سے اثر جو یورپ کے دل پر پڑا وہ مسلمانوں کی علمی فضیلت کا اعتراف تھا یورپ کی یہ فیاضی لی رشک کے قابل ہی کہ ایک طرف تو مذہبی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا لیکن دوسری طرف اُسنے بے تکلف مسلمانوں کے خوان کرم سے زلہ ربائی شروع کر دی۔

سب سے پہلے طلیطلہ (ٹالیڈو) کے لارڈ بشپ نے جسکا نام ڈریمونڈ تھا ۱۱۳۰ء میں ایک محکمہ اس غرض سے قائم کیا

کہ اسلامی فلسفیانہ تصنیفات عربی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیجائیں اس محکمہ کے ارکان وہ یہودی علما تھے جو
عربی زبان اور عربی فلسفہ سے ماہر تھے ان میں سب سے ممتاز یوحنا تھا جو اشبیلیہ کا رہنے والا تھا اس محکمہ کا افسر
گوندیسالفی مقرر ہوا اس محکمہ نے ابن سینا کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں چند روز کے بعد دی کریموں وڈالفرڈ دی
مولائی نے فارابی اور کندی کی بعض بعض تصنیفیں بھی ترجمہ کیں۔

اسی زمانہ میں جزیرہ سسلی اور اٹلی میں بھی عربی کتابوں کا ترجمہ شروع ہوا۔ یہ ابتدائی حالت تھی لیکن فلسفہ عرب
کی اشاعت کا اصلی زمانہ درحقیقت فریڈرک دوم سے شروع ہوتا ہے جو جرمن کا مشہور فرمانروا گذرا ہے یہ علم پرور بادشاہ
درحقیقت یورپ کا مامون الرشید تھا اسکی طبیعت فطرتًا فلسفیانہ واقع ہوئی تھی اور جس قدر مذہبی گروہ اسکے
خیالات کی مخالفت کرتا تھا اسکا میلان فلسفہ کی جانب اور بڑھتا جاتا تھا چونکہ اُس زمانے میں عمومًا علم وفن کے
سرچشمہ اہل عرب تسلیم کئے جاتے تھے اُس نے ایک سسلی کے باشندہ سے عربی زبان سیکھی اور عرب کے رسم ورواج
کا اس قدر شیفتہ ہوا کہ مشرقی بادشاہوں کی طرح اُسنے حرم اور خواجہ سرا مقرر کئے دور دور سے عربی داں فضلا جمع کئے
یہانتک کہ بغداد کے علما و فضلا بھی اسکے دربار میں پہنچے جو بڑی چوڑی آستینوں والی عبائیں زیب بدن کرتے تھے۔

فریڈرک علانیہ عرب کے علوم وفنون ومراسم کی مداحی کرتا تھا حالانکہ یہ امر اسکے تمام دربار کو سخت ناگوار تھا باایں
ہمہ صلیبی لڑائیوں کے سلسلے میں یورپ نے جب بیت المقدس پر چھٹا حملہ کیا تو یہ بادشاہ بھی ایک فوج کثیر کے ساتھ
اس حملہ میں شریک ہوا لیکن یہاں بھی وہ علمی مشاغل سے خالی نہ رہا مسلمان علما کو اپنی مجلس میں بلاتا تھا اور
کے مشکل مسائل ان سے حل کراتا تھا ان مسائل کو وہ اسلامی فوج کے سپہ سالار کے پاس بھی حل کی غرض سے بھیجا
کرتا تھا اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ وہ سخت لڑائیاں لڑتا تھا لیکن مذہب کی یہ حالت تھی کہ ہیکل مقدس میں جاکر
حضرت عیسیٰ کے مقدس زیارت گاہ کی ہنسی اڑاتا تھا یہانتک کہ ایک دن لارڈ بشپ کے سامنے بھی اُسنے اسی قسم
کی تمسخر آمیز باتیں کیں جنکو بشپ نے قلمبند کرلیا۔

عیسائی عمومًا اسکو برا سمجھتے تھے اور خصوصًا پادریوں نے تو اسکی ہجو میں نظمیں لکھیں۔

پوپ نہم گریگوری نے اپنی ایک تحریر میں اسکی نسبت فتوی دیا کہ یہ بادشاہ فساد کا بادشاہ ہے کیونکہ وہ اسبات کا
قائل ہے کہ جب تک کوئی چیز عقل اور نظام طبعی سے نہ ثابت ہو اُسکو تسلیم نہیں کرنا چاہیئے۔

عام عیسائی جماعت نے اُسکو دجال کا خطاب دے رکھا تھا لیکن اُس نے ان تمام باتوں کی مطلق پروا نکی
اور نہایت آزاد خیالی سے عربی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابن رشد کے یہودی "تلامذہ" اسپین سے نکل کر
مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے ان میں ایک خاندان جو طبیون کہلاتا تھا اسپین سے ہجرت کرکے فرانس چلا آیا تھا
ان میں سے موسیٰ بن طبیون اور ... بن طبیون ... نے ابن رشد کی بعض کتابیں عبرانی میں ترجمہ کیں ابن رشد

کی تصنیفات کا یہ پہلا ترجمہ تھا، شہنشاہ فریڈرک نے جب اسلامی کتابوں کا ترجمہ کرانا چاہا تو ان یہودی علما کو اس نے دربار میں بلایا اور یہ خدمت انکے سپرد کی، یہودا ابن سلیمان جو ٹالیڈو کا رہنے والا تھا اور فریڈرک کے خاص مقربین میں تھا اسنے سنہ ۱۲۴۲ء میں ایک کتاب لکھی جسکا نام طلب الحکمۃ رکھا یہ کتاب تمامتر ابن رشد کی تصنیفات سے ماخوذ تھی، ایک اور یہودی عالم جسکا نام یعقوب بن ابی مریم تھا اور جو نیپولی میں مقیم تھا اور خاندان طیبون کا داماد تھا اسنے سنہ ۱۲۳۲ء میں شہنشاہ فریڈرک کی فرمائش سے ابن رشد کی متعدد تصنیفات ترجمہ کیں اسکے بعد کالونیمس نے جو ارل کا باشندہ تھا اور سنہ ۱۲۸۷ء میں اسکی ولادت ہوئی تھی ابن رشد کی کتابوں کا عبرانی زبان میں ترجمہ شروع کیا، وہ لاطینی زبان بھی جانتا تھا چنانچہ تہافۃ التہافۃ کا ترجمہ اسنے لاطینی ہی زبان میں کیا جو سنہ ۱۳۲۸ء میں انجام کو پہونچا غرض چودھویں صدی کے آغاز تک ابن رشد کا فلسفہ تمام یہود میں پھیل گیا، اسی زمانہ میں ایک یہودی فاضل نے جسکا نام لاوی بن جرشون تھا اور جسکو اہل یورپ لاون افریقی کے نام سے خطاب کرتے تھے، ابن رشد کے فلسفہ کی اسیطرح شرح اور خلاصے لکھے جس طرح ابن رشد نے ارسطو کے فلسفہ کی شرح اور تلخیص کی تھی، یہ فاضل بالکل آزاد خیال تھا، وہ مادہ کے قدیم ہونیکا قائل تھا نبوت کی نسبت اسکا یہ اعتقاد تھا کہ وہ انسانی قوتوں سے ایک قوت کا نام ہے، اسنے یہودی مذہب کو فلسفہ سے ملانا چاہا اور فلسفہ اور مذہب میں تطبیق کی ان یہودی حکما میں سب سے آخر شخص الیاس مدیجو تھا جو پیڈوا کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا،

سولھویں صدی عیسوی میں یہود کے مذہبی علما نے یہ دیکھکر کہ فلسفہ مذہب کو برباد کئے دیتا ہے بڑے زور شور سے فلسفہ کی مخالفت شروع کی، چنانچہ مضیو نے جو مذہبی حیثیت سے ربی کا لقب رکھتا تھا امام غزالی کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ سنہ ۱۵۳۸ء میں شائع کی جس سے ابن رشد کی مخالفت کا اظہار مقصود تھا۔

اسوقت تک ابن رشد کے فلسفہ کی جو کچھ اشاعت اور ترویج ہوئی تھی زیادہ تر یہودیوں میں ہوئی تھی اور یہی فلسفہ ابن رشد کے حامی اور پیرو خیال کئے جاتے تھے اب وہ زمانہ آیا کہ تمام یورپ میں ابن رشد کے فلسفہ نے رواج پایا سب سے پہلا شخص جسنے یہ خدمت سنہ ۱۲۳۰ء میں انجام دی میکال اسکاٹ تھا، یہ فاضل ٹالیڈو (طلیطلہ) میں قیام رکھتا تھا اور شاہ فریڈرک جسکا ذکر اوپر گذرچکا ہے اسکے درباریوں میں تھا۔

اسکاٹ کے بعد ہارمن نے جو خاص جرمن کا رہنے والا تھا ابن رشد کے فلسفہ کی اشاعت کی یہ فاضل بھی فریڈرک کے دربار میں ایک معزز حیثیت رکھتا تھا، غرض اسطرف عام توجہ شروع ہوئی یہانتک کہ تیرھویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے ابن رشد کی تمام فلسفیانہ تصنیفات لاطینی زبان میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔

ابن رشد کے فلسفہ کی مخالفت

ابن رشد کے فلسفہ کا یورپ میں پھیلنا تھا کہ تمام عیسائیوں کی مذہبی جماعت میں ایک آگ سی لگ گئی، سنہ ۱۲۶۹ء میں ایک بڑا مذہبی جلسہ منعقد ہوا جسنے پیروان ابن رشد کی گمراہی کا فتویٰ دیا،

سنہ ۱۲۱۵ء میں عیسائی مذہبی محکمہ نے یہ فتویٰ نافذ کیا کہ فلسفہ ارسطو اور تصنیفات بوعلی سینا کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے، سنہ ۱۲۳۱ء میں پوپ نہم نے جسکا نام گریگوریوس تھا حکم دیا کہ عرب کے فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا قطعاً بند کر دیا جائے، گولیم ڈفرن جو ایک مشہور فاضل تھا اسنے نہایت سختی سے ابن سینا کے فلسفہ کا رد لکھا، ڈفرن کے بعد بیر نے جو بہت بڑا متکلم تسلیم کیا جاتا تھا فلسفہ عرب کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ بوعلی سینا کا مداح تھا اور ابن رشد کو اسوجہ سے برا سمجھتا تھا کہ اسنے ابن سینا کی مخالفت کی،

مخالفین ابن رشد میں سب سے زیادہ شہرت سینٹ ٹامس نے حاصل کی، یہ شخص مغربی کلیسیا کا سب سے بڑا متکلم اور عالم خیال کیا جاتا تھا، اس نے ابن رشد کے فلسفہ کو نہ صرف مذہبی بلکہ عقلی دلائل سے بھی رد کیا اور چونکہ ابن رشد فلسفہ ارسطو کا سب سے بڑا شارح خیال کیا جاتا تھا، ابن رشد کے مقابلہ میں وہ دلائل استعمال کئے جو ارسطو کے دلائل سے ماخوذ تھے۔

پادریوں نے اس خدمت کے صلہ میں اسکی اسقدر عزت کی کہ اسکو ایک مقدس مذہبی امام قرار دیا، چودھویں صدی کے ایک مشہور مصور نے سنہ ۱۳۴۰ء میں ایک عمدہ مرقع بنایا جو مقدس کاترین کے گرجا میں بمقام پیزہ (اٹلی) نصب کیا گیا، اس مرقع کی یہ صورت تھی کہ سب سے اوپر ذات مقدس جلوہ گر ہے جسکے چاروں طرف ملائکہ صف بستہ ہیں، ذات مقدس سے نور کی شعاعیں منتشر ہوتی ہیں، نیچے بادل کے سطح پر حضرت موسیٰ پولوس اور اناجیل اربعہ ہیں، اور نور کی شعاعیں ان پر آکر پڑتی ہیں، بادل کے نیچے مقدس ٹامس کھڑا ہے، جسپر نور کی شعاعیں حضرت موسیٰ وغیرہ سے گذر کر پڑتی ہیں، ان شعاعوں کے علاوہ نور کی تین شعاعیں براہ راست ذات مقدس سے ٹامس پر پڑتی ہیں، ذرا نیچے دونوں جانب ارسطو اور افلاطون کھڑے ہیں، ان دونوں کے ہاتھ میں دو کتابیں ہیں جنسے نور کا ایک سلسلہ بلند ہو کر ٹامس کے سر تک پہونچتا ہے اور ذات الٰہی کے نور میں مخلوط ہو جاتا ہے، ٹامس کرسی پر جانشین ہے اسکے ہاتھ میں کتاب مقدس ہے جو کھلی ہوئی ہے، اور جسکے سر صفحہ پر یہ عبارت ہے "میرا منھ سچ بولتا ہے اور میرے ہونٹھ گمراہی سے منکر ہیں"، ٹامس کی کرسی کے چاروں طرف ہر درجے کے مقدس پادریوں کی قطار ہے جن پر ٹامس کی تصنیفات کی شعاعیں پڑ رہی ہیں، انھیں شعاعوں میں سے ایک شعاع ابن رشد پر پڑ رہی ہے جو ٹامس کے سامنے زمین پر پچھڑا ہوا پڑا ہے، ابن رشد کے جن مسائل کا رد لکھا وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) مادہ ازلی ہے اور اسکی حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی (۲) سلسلہ کائنات کا اتصال علت اولیٰ سے جسطرح ابن رشد نے بیان کیا تھا، (۳) علت اولیٰ اور معلولات میں عقل کا توسط، (۴) کوئی شے عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی،

ٹامس نے ان مسائل کو باطل ثابت کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اصل میں ارسطو نے غلطی کی تھی اور حکمائے اسلام نے غلطی

ٹامس کی وفات کے بعد ریمون مارٹینی نے فلسفہ عرب کے مخالفت میں کتابیں لکھیں، لیکن ان تصنیفات میں اُسنے زیادہ تر امام غزالی سے مدد لی وہ کہا کرتا تھا کہ فلسفہ کا رد فلسفی (غزالی) کی زبان سے زیادہ موزوں ہے،

ریمون کے بعد بہت سے مصنفین نے ٹامس کی حمایت اور فلسفہ عرب کی مخالفت میں کتابیں لکھیں، ان میں یہ مذاق اس قدر بڑھا کہ اٹلی کے مشہور شاعر ڈینٹی نے بھی ابن رشد کی ہجو لکھی اسکے بعد جیل دی روم نے بڑے زور شور سے فلسفہ عرب خصوصاً ابن رشد کے فلسفہ پر حملہ کیا اور اسمیں اسقدر ناموری حاصل کی کہ مقدس ٹامس کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھی،

لیکن اس میدان میں جو شخص سب کا پیشرو تھا وہ ریمون لول تھا یہ شخص دو برس یعنی سنہ ۱۳۱۰ء سے سنہ ۱۳۱۲ء تک پیرس سے لیکر جنیوہ نیپولی بزہ وغیرہ کا صرف اس غرض سے دورہ کرتا رہا کہ لوگوں کو فلسفہ عرب کی مخالفت پر آمادہ کرے یہانتک کہ جب سنہ ۱۳۱۱ء میں ویانا میں ایک مجلس منعقد ہوئی تو اُسنے پوپ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی جسمیں تین باتوں کی درخواست کی ایک یہ کہ ایک بڑا لشکر مسلمانوں کے برباد کرنیکے لیے تیار کیا جائے دوسرے یہ کہ عربی زبان کی تعلیم کیلیے یونیورسٹیاں قائم کیجائیں، تیسرے یہ کہ ابن رشد کی تصنیفات کی ناجائز ہونیکا فتویٰ دیدیا جائے

حامیان ابن رشد

مذہبی جماعت میں اگرچہ فلسفہ عرب کی نسبت اسقدر شورش برپا تھی لیکن فلسفہ کا جادو ایسا نہ تھا کہ کوئی جماعت اس سے بے اثر رہ سکتی مذہبی ہی گروہ میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا جسنے نہایت استقلال اور دلیری سے فلسفہ عرب کی حمایت کی یہ فرقہ فرانسیسکن کہلاتا تھا ان لوگوں نے بڑی آزادی اور دلیری سے روما کی سطوت حکومت کا مقابلہ کیا، اور ٹامس کے رد میں کتابیں لکھیں چونکہ یہ لوگ ٹامس کے عقائد کے ابطال کو اپنا اصلی فرض سمجھتے تھے اسلیے انکو خواہ مخواہ فلسفہ عرب سے اعانت لینی پڑی،

اس فرقہ کے مشہور لیڈر جان ڈی لا روشل نے علانیہ ابن سینا کی پیروی کا اظہار کیا، اور علم النفس و اخلاق کی نسبت اسنے جو کچھ لکھا تمامتر ابن سینا کی تصنیفات سے لکھا، اب فرانس کی مذہبی تعلیم گاہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئی سوبون کے مدرسہ میں ٹامس کے معتقدات کی تعلیم دیجاتی تھی لیکن پیرس کی یونیورسٹی میں ابن رشد کا فلسفہ پڑھایا جاتا تھا ڈانیمکین فرقہ سوربون کی تعلیم کا حامی تھا چنانچہ ان دونوں نے متفق ہو کر پوپ چہارم سے جسکا نام الگزنڈر تھا چھ سات برس کے عرصہ میں چالیس فرمان اس مضمون کے صادر کرائے کہ عرب کے فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے

سنہ ۱۲۶۹ء میں پیرس کی مذہبی مقدس مجلس نے یہ فرمان صادر کیا،

یہ جلسہ ان لوگوں کے فاسد العقیدہ ہونیکا فتویٰ دیتا ہے جو اعتقادات ذیل کے قائل ہیں،

(۱) عالم ازلی ہے (۲) تمام انسانوں میں ایک ہی عقل پائی جاتی ہے (۳) انسان کا سلسلہ کسی ایک آدم معین تک منتہی نہیں ہوتا، (۴) نفس جسم کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے، (۵) خدا جزئیات کا عالم نہیں ہے (۶) خدا قابل فنا

چیزوں کو ابدی نہیں کر سکتا۔

ان سب ہنگاموں کے ساتھ ابن رشد کا فلسفہ یورپ میں برابر پھیلتا گیا یہانتک کہ چودھویں صدی عیسوی میں بڑا حصہ یورپ کا ابن رشد کا پیرو بن گیا، چنانچہ فرانس کے مشہور بادشاہ لوئیس یازدہم نے ۱۴۷۳ء میں جب صیغہ تعلیم کی اصلاح کرنی چاہی تو پروفیسرون کو حکم دیا کہ ارسطو کی تصنیفات پر ابن رشد کی جو شرحیں ہیں وہ نصاب میں داخل کیجائیں۔ اب یہ نوبت پہونچی کہ تمام یورپ میں ابن رشد کا فلسفہ علانیہ پڑھا جاتا تھا اور کوئی مخالفت نہیں

پیڈوا کی یونیورسٹی

ابن رشد کے فلسفہ نے اگرچہ تمام یورپ میں رواج پایا لیکن اعلیٰ صدر مقام اس فلسفہ کا پیڈوا کی یونیورسٹی تھی جو اٹلی میں واقع تھی اس یونیورسٹی میں سب سے پہلے جسنے ابن رشد کے فلسفہ کو داخل نصاب کیا پطرس دابانو تھا اب یورپ کے تمام علمی طبقہ میں ابن رشد کی یہ عزت کیجاتی تھی کہ لوگ اسکے نام پر فخر کرتے تھے۔

الملل والنحل اور ابن حزم ظاہری

اسلام میں ایک مدت تک معقول و منقول الگ الگ رہے امام غزالی نے دونوں کا تعارف کرایا اور رفتہ رفتہ اتحاد اس قدر بڑھا کہ آج دونوں کو الگ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے محدثین کا گروہ اخیر تک اپنے انداز پر قائم رہا چنانچہ اس مقدس فرقہ میں کوئی ایسا شخص نہیں پیدا ہوا جو فلسفی یا معقولی کے لقب سے ممتاز ہوتا، لیکن دو شخص اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں یعنی ابن تیمیہ اور ابن حزم ان دونوں بزرگوں کے معتقدات اور خیالات اس امر کے اندازہ کرنے کیلئے نہایت نتیجہ خیز ہیں کہ حدیث کو فلسفہ سے کس حد تک ربط ہو سکتا ہے، یہ دونوں بزرگ بہت بڑے محدث اور خشک مذہبی آدمی تھے، انھوں نے گو فلسفہ میں کمال پیدا کیا تھا لیکن فلسفہ کو بالکل حقیر سمجھتے تھے اور اسلئے فلسفہ کا اثر کچھ انپر نہیں پڑ سکتا تھا، چنانچہ ابن تیمیہ نے فلسفہ کے رد میں ایک ضخیم کتاب چار جلدوں میں لکھی ابن حزم نے بھی متعدد کتابوں میں فلسفہ کے مسائل رد کئے،

اہل سنت وجماعت میں عقائد کے اعتبار سے تین شاخیں ہیں۔ اشاعرہ، ماتریدیہ، محدثین، لیکن ایک مدت سے تمام اسلامی دنیا میں صرف اشاعرہ کی کتابیں متداول اور زیر درس ہیں ماتریدیہ کے اقوال کہیں کہیں انھیں کتابوں میں آجاتے ہیں لیکن محدثین کی تصنیفات سرے سے ناپید ہیں اور انکے اقوال بھی (بجز صفات باری کے) کسی مسئلہ کے متعلق نہیں پائے جاتے، حالانکہ اصول وعقائد کے متعلق سب سے زیادہ انھی کی رائیں معتبر ہو سکتی ہیں خوش قسمتی سے اس مقدس گروہ کی تصنیفات کی طرف توجہ مبذول ہوئی ہے، چنانچہ ابن تیمیہ کی کتاب العقل والنقل اور منہاج السنۃ اور ابن حزم کی کتاب الملل والنحل حال میں چھپکر شائع ہوئی ہے، ہم اسوقت اسی کتاب الملل والنحل پر تقریظ لکھنی چاہتے ہیں، لیکن اصل بحث سے پہلے ہم نہایت اختصار کے ساتھ ابن حزم کے حالات لکھتے ہیں۔

ان کا نام علی بن احمد ابن سعید بن حزم ہے خاندان بنو امیہ سے تھے قرطبہ میں ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۵۶ھ میں وفات پائی ۴۰۰ھ میں حدیث کی تحصیل شروع کی علوم دینیہ کے ساتھ منطق و فلسفہ میں بھی کمال پیدا کیا، پہلے شافعی تھے پھر ظاہری ہو گئے یعنی ظواہر قرآن و حدیث کے سوا قیاس کو نہیں مانتے تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے محلّی بڑے پایہ کی کتاب ہے، انکی تصنیفات ۸۰ ہزار ورق میں ہیں، امام غزالی نے لکھا ہے کہ میں نے انکی ایک تصنیف دیکھی ہے جس سے انکا کمال حفظ و دیانت ثابت ہوتی ہے۔

ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں کہ ابن حزم کو علوم اسلامیہ میں جو کمال تھا اندلس میں کسی کو نہ تھا حمیدی کا بیان ہے کہ ہمنے انکا نظیر نہیں دیکھا یہ تمام واقعات علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ ابن حزم علمای کبار میں ہیں اور اجتہاد کے تمام شرائط ان میں پائے جاتے تھے۔

کتاب الملل والنحل اس کتاب میں مصنف نے فلاسفہ، ملاحدہ، مادیین، یہود، نصاری غرض اکثر اہل مذاہب کے عقائد و خیالات نقل کئے ہیں اور انکا رد لکھا ہے، غیر مذاہب کے رد میں علمای اسلام کی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن اس کتاب میں یہ خصوصیت ہے کہ دوسرے فرق کے عقائد و خیالات کو نہایت تحقیق سے لکھا ہے توراۃ اور انجیل کے محرف ہونے پر جو بحث کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کو یہود و نصاری کی کتابوں پر مجتہدانہ عبور تھا، غیر مذاہب کے ابطال کے بعد مصنف نے خود اسلامی عقائد سے بحث کی ہے اور ہر فرقہ کے ان مسائل کا رد کیا ہے جو اسکے نزدیک غلط اور باطل ہیں، ہمکو صرف اسی حصہ سے بحث ہے سب سے پہلے انبیا کے مسئلہ کو لکھا ہے اور نہایت تفصیل سے لکھا ہے عقائد کی موجودہ کتابوں میں اگرچہ عموماً یہ مسئلہ مسلّم قرار پا گیا ہے کہ انبیا معصوم ہیں لیکن اکثر تفسیر کی کتابوں میں جو روایتیں مذکور ہیں اور وہی تمام مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں وہ بالکل اسکے خلاف ہیں، ابن حزم نے نہایت آزادی اور دلیری سے ان تمام روایتوں کی لغویت ثابت کی ہے حضرت داؤد کی نسبت مشہور ہے کہ انھوں نے ایک دن اتفاق سے اوریا کی بیوی کو نہاتے دیکھ لیا، چونکہ وہ نہایت حسین تھی اسلیے اس سے شادی کا ارادہ کیا اور اسی غرض سے اسکے شوہر کو لڑائی پر بھیجدیا جب وہ لڑائی میں مارا گیا تو اسکی بیوی سے شادی کر لی، قرآن مجید میں ایک موقع پر یہ واقعہ مذکور ہے کہ دو بھائی حضرت داؤد کے پاس لڑتے ہوئے آئے کہ ہمارا مقدمہ فیصل کر دیجیے جھگڑا یہ تھا کہ ایک بھائی کے پاس ۹۹ دنبے تھے اور دوسرے کے پاس صرف ایک مادہ کہتا تھا کہ اپنا دنبہ بھی مجکو دیڈالو حضرت داؤد نے یہ سنکر کہا کہ یہ ظلم ہے پھر انکو خیال ہوا کہ یہ خدا نے میرا امتحان لیا ہے، اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ وہی حضرت داؤد کا قصہ ہے وہ دونوں آدمی نہ تھے بلکہ فرشتے تھے اور انھوں نے اس پیرایہ میں حضرت داؤد کو متنبہ کیا کہ تمہارے ۹۹ بیبیاں ہیں اور اوریا کی صرف ایک وہ بھی تم نے چھین لی، ابن حزم لکھتے ہیں کہ وہ فرشتے نہ تھے بلکہ واقعی آدمی تھے اور وہ درحقیقت انفصال مقدمہ کے لیے آئے تھے ان کے الفاظ یہ ہیں،

وہذا قول صادق صحیح لا یدل علی شئی مما قالہ المتہورون الکاذبون المتعاقون بخرافات ولدہا الیہود وانما کان ذلک الخصم قوما من بنی آدم بلا شک مختصمین فی نعاج من الغنم علی الحقیقۃ ومن قال انہم کانوا ملائکۃ معرضین بامر النساء فقد کذب علی اللہ عز وجل وقال مالم یقل وزاد فی القرآن مالیس فیہ وکذب اللہ عز وجل۔

قرآن مجید کا بیان بالکل صحیح اور سچ ہے دروغگو مسخرے جو یہودیوں کے خرافات کی سند پکڑتے ہیں انکے اقوال کی طرف اس آیت میں کچھ بھی اشارہ نہیں پایا جاتا، وہ دونوں شخص واقعی آدمی تھے اور آپس میں درحقیقت دنبوں کے متعلق جھگڑا تھا جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ فرشتے تھے اور انھوں نے عورتوں کے قصہ کی طرف اشارہ کیا تھا تو وہ خدا کو جھوٹ لگاتا ہے اور وہ بات کہتا ہے جو خدا نے نہیں کہی اور قرآن پر حاشیہ چڑھاتا ہے اور خدا کو جھوٹا بناتا ہے۔

اسکے بعد ابن حزم لکھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں بدمعاش اور پاجیوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں نہ کہ (نعوذ باللہ) انبیاء کرام کی طرف، اسی طرح یہ واقعہ عام طور پر مشہور ہوا اور کتب تفسیر میں منقول ہے کہ حضرت سلیمان گھوڑوں کا جائزہ لے رہے تھے اسمیں اسقدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز جاتی رہی جب انکو خیال آیا تو گھوڑوں کی پنڈلیاں کٹوا ڈالیں اور جب انکی دعا سے آفتاب دوبارہ طلوع ہوا تو نماز عصر ادا کی ابن حزم اس روایت کی نسبت

وہذا خرافۃ موضوعۃ مکذوبۃ سخیفۃ باردۃ یہ خرافات، جھوٹ، بیہودہ، اور لغو روایت ہے، بظاہر

والظاہر انہا من اختراع زندیق بلاشک یہ روایت کسی زندیق نے ایجاد کی ہے۔

ایک بڑا اہم بالشان مسئلہ جسپر ابن حزم نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے سحر اور جادو کی حقیقت ہے یہ بحث اگرچہ درحقیقت سائنس سے تعلق رکھتی ہے، لیکن چونکہ سحر کا لفظ مذہبی کتابوں میں آگیا ہے اسلئے یہ ایک مذہبی مسئلہ بنگیا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سحر اور جادو کوئی چیز ہے لیکن بحث یہ ہے کہ سحر میں درحقیقت انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا صرف شعبدہ بازی اور نیرنگ سازی کا نام سحر ہے، اکثر اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سحر کے ذریعہ سے تمام خرق عادات وجود میں آسکتے ہیں اور عام طور پر یہی عقیدہ مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے ابن حزم نے نہایت زور شور سے اس کا انکار کیا ہے اور حسب ذیل دلیلیں پیش کی ہیں۔

(۱) خدا نے کائنات کی جو ترتیب قرار دی ہے وہ بدل نہیں سکتی جیسا کہ خود قرآن مجید میں ہے لا مبدل لکلماتہ علامہ موصوف نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے استدلال کرکے لکھا ہے،

فصح ان کل مافی العالم مما قد رتبہ اللہ عز وجل الترتیب الذی لا یتبدل تو ثابت ہوا کہ جو کچھ عالم میں خدا نے ترتیب دیا ہے وہ بدل نہیں سکتا

(۲) اگر سحر صحیح ہو تو معجزہ اور سحر میں کیا فرق ہوگا۔

ویقال لمن قال ان السحر یحیل الاعیان ویقلب الطبائع جو شخص یہ کہتا ہے کہ جادو قلب ماہیت کر دیتا ہے تو اس سے کہنا اخبرونا اذا جاز ہذا فای فرق بین النبی والساحر ولعل چاہیے کہ پیغمبر اور جادوگر میں کیا فرق باقی رہیگا اس صورت

جمیع الانبیاء کانوا سحرۃ کما قال فرعون عن موسیٰ علیہ السلام یہ بھی احتمال پیدا ہوگا کہ تمام انبیا جادوگر ہی تھے جیسا کہ فرعون
انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر، نے حضرت موسیٰ کی نسبت کہا تھا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اور اسی نے
سحر کے ثبوت میں اکثر لوگ فرعون کے جادوگروں کا واقعہ پیش کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے علامہ موصوف نے
قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ صرف شعبدہ بازی تھی وہ آیتیں یہ ہیں۔
یخیل الیہ من سحرہم انہا حضرت موسیٰ کو انکے جادو کی وجہ سے خیال ہوتا تھا کہ انکی رسیاں اور لاٹھیاں
تسعیٰ انما صنعوا کید ساحر، دوڑ رہی ہیں ان لوگوں نے جادو کا کرتب کیا ہے۔
پہلی آیت سے ثابت ہوا کہ وہ صرف تخیل تھا کوئی واقعی چیز نہ تھی، دوسری آیت میں کید کا لفظ ہے جسکے معنی فریب کے
قرآن مجید میں ہاروت وماروت کے متعلق مذکور ہے کہ لوگ ان سے جادو سیکھتے ہیں اور اسکے ذریعہ سے میاں اور بیوی
میں جدائی کرا دیتے ہیں اس آیت سے بھی سحر کی واقعیت پر استدلال کیا جاتا ہے علامہ موصوف اسکے جواب میں لکھتے ہیں
فہذا امر ممکن یفعلہ نمام یہ ممکن بات ہے جسکو چغلخور بھی کر سکتا ہے (یعنی میاں بیوی میں لڑائی کرا دینا چغل خوری کے ذریعہ سے
ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت پر لبید ابن اعصم نے جادو کر دیا تھا جسکی وجہ سے آپکی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جو کام آپنے
نہیں کیا ہوتا تھا اسکی نسبت آپ کو خیال ہوتا تھا کہ کر لیا ہے اس حدیث کے جواب میں علامہ موصوف لکھتے ہیں
فلیس فی ہذا ایضاً احالۃ الطبیعۃ ولا قلب عین انما اسمیں بھی طبیعت کا بدلنا یا قلب ماہیت نہیں ہے ہم دیکھتے
ہو تاثیر بقوۃ تلک الصناعۃ ونحن نجد الانسان یسب ہیں کہ جب آدمی کو کوئی شخص گالی دیتا ہے یا کوئی الیسی بات
او یقابل بحجرۃ فیغضب منہا فیستحیل من الحلم الی الطیش کرتا ہے جس سے اسکو غصہ آجائے تو اسکا حلم غصہ سے اور
وعن السکون الی الحرکۃ، سکون حرکت سے بدل جاتا ہے۔
فلسفۂ حال کے مسائل میں سب سے زیادہ جو مسلم الثبوت مسئلہ مانا جاتا ہے۔ قانون قدرت کا مسئلہ ہے اور کچھ شک
نہیں کہ اس سے زیادہ کوئی چیز قطعی اور یقینی نہیں لیکن عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ یہ مسئلہ زمانہ حال کی تحقیقات میں
ہے یا کم از کم یہ کہ پہلے اس مسئلہ کیطرف خیال رجوع نہیں ہوا تھا اور اسی لئے قدیم لٹریچر میں یہ اصطلاح موجود نہیں لیکن
یہ خیال تمامتر غلط ہے فلاسفہ اسلام تو عموماً اسکے قائل تھے، فقہا اور محدثین میں بھی اشاعرہ کے سوا اسکا کوئی منکر
نہیں چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں نہایت تصریح سے اسکو لکھا ہے۔
علامہ ابن حزم نے اس بحث پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں "الکلام فی الطبائع" اس بحث
میں پہلے اشاعرہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ طبائع کے قائل نہیں ہیں پھر نہایت تفصیل سے اس کا رد لکھا ہے انکی تقریر کا
ماحصل یہ ہے کہ عرب میں متعدد الفاظ تھے جو اس معنی میں استعمال کئے جاتے تھے مثلاً طبیعۃ، خلیقۃ، غریزۃ، سجیۃ، جبلۃ
چنانچہ حمید بن ثور کہتا ہے۔

[1] ملل و نحل جزو خامس صفحہ ۱۴ مطبوعہ مصر

لكل امرىء يا ام عمرو طبيعة — وتفريق ما بين الرجال الطبائع

اے ام عمرو! ہر شخص کی ایک فطرت ہوتی ہے — اور آدمیوں میں جو فرق ہے وہ فطرتوں ہی کا ہے

یہ الفاظ آنحضرت اور صحابہ کے سامنے استعمال کئے گئے اور کسی نے انسے انکار نہیں کیا بلکہ خود آنحضرت نے یہ الفاظ استعمال فرمائے صحابہ میں سے ایک بزرگ نے آنحضرت سے پوچھا کہ مجھمیں جو علم اور بردباری پائی جاتی ہے وہ میری جبلت ہے یا تربیت اور کسب سے حاصل ہوئی ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ خدا نے تمکو اسپر مجبور کیا ہے۔

اس استدلال کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

وکل ہذہ الطبائع والعادات مخلوقۃ خلقہا اللہ عزوجل فرتب الطبیعۃ علی انہا لاتستحیل ابداً ولا یمکن تبدلہا عند کل ذی عقل کطبیعۃ الانسان بان یکون ممکنا له التصرف فی العلوم والصناعات ان لم یعترضہ آفۃ وطبیعۃ الحمیر والبغال بانہ غیر ممکن منہا ذلک وکطبیعۃ البر ان لاینبت شعیرا ولا جوزا وہکذا کل ما فی العالم مقرون بالصفات وہی الطبیعۃ نفسہا،

اور یہ تمام طبائع اور عادات خدا نے پیدا کئے ہیں اور طبائع کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ کسی طرح بدل نہیں سکتے اور اسکا بدلنا کسی عاقل کے نزدیک ممکن نہیں مثلاً انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر کوئی آفت نہ آوے تو وہ علوم اور ہنر سیکھ سکتا ہے اور گدھے اور خچر کی فطرت ایسی بنائی کہ انسے یہ امور ممکن نہیں اسیطرح گیہوں سے جو یا اخروٹ نہیں پیدا ہو سکتا غرض دنیا میں جتنی چیزیں ہیں انمیں خاصیتیں پائی جاتی ہیں کہ وہی انکی فطرت ہے۔

اس کتاب میں بعض خیالات بالکل جدید ہیں مثلاً یہ بحث کہ عورتیں پیغمبر ہو سکتی ہیں یا نہیں اسکے متعلق ہم کو جہانتک معلوم ہے آجتک کسی نے اس بات کا پہلو نہیں لیا تھا لیکن علامہ ابن حزم کا دعوی ہے کہ عورتیں پیغمبر ہو سکتی ہیں چنانچہ اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے اسپر استدلال کیا ہے عام خیال یہ ہے کہ عورتوں کا درجہ مردوں سے کم ہے لیکن علامہ ابن حزم اسکے خلاف ہیں صحابہ کی فضیلت پر جہاں بحث کی ہے وہاں اس مسئلہ کو بھی تفصیل سے لکھا ہے اور قرآن مجید کی جن آیتوں سے مردوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے انکا جواب دیا ہے (دیکھو جزو چہارم صفحہ ۱۳۰) علامہ موصوف کا یہ خیال صحیح ہو یا نہو لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے تعلیم یافتہ حضرات کے ہمخیال پہلے بھی موجود تھے،

یونانی منطق کی غلطیاں

اہل منطق نے ادراک معلومات کے دو مختلف طریقے قرار دئے ہیں۔ معرف و حجۃ اور اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں تصور اور تصدیق اور چونکہ یہ دونوں دو مختلف قسم کے ہیں اسلئے انکے ادراک طریقے بھی مختلف ہیں جنکا نام معرف و حجۃ ہے لیکن غور کرنا چاہیے کہ جس چیز کو ہم معرف کہتے ہیں وہ تصور ہے یا تصدیق اس سوال کے جواب نہ

سے پہلے ہمکو یہ دیکھنا چاہیے کہ معرف کیونکر حاصل ہوتا ہے یعنی کسی شی کی حقیقت ہم کیونکر معلوم کرتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہم اسبابات کا پتہ لگاتے ہیں کہ اس شے میں کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں پھر یہ دیکھتے ہیں کہ انمیں کیا کیا چیزیں ایسی ہیں جو اور اشیا میں بھی مشترک ہیں، اور کیا کیا چیزیں ہیں جو اسی کے ساتھ خاص ہیں پھر یہ دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں اس شے کی ذات میں داخل ہیں، یا اسکے خارجی اوصاف ہیں اسطرح اقسام ذیل پیدا ہوتے ہیں ذاتی یعنی وہ چیزیں جو کسی شی کی اصل حقیقت میں داخل ہیں، عرضی، جو خارج ہیں **فصل** یعنی وہ ذاتی جو اس شے کے ساتھ خاص ہے، **جنس** یعنی وہ ذاتی جو اور چیزوں میں بھی مشترک ہے، **عرض عام** یعنی وہ عرضی جو اور وں میں بھی مشترک ہے **خاصہ** یعنی وہ عرضی جو اسی شی کے ساتھ خاص ہے۔

جب اسطرح ایک شے کے تمام ذاتیات و عرضیات معلوم ہوجاتے ہیں تو ہم انکو ترکیب دیتے ہیں اور یہی مرکب اس شے کا معرف ہے۔

اب غور کرو کہ معرف کے حاصل کرنے میں کن مقدمات سے کام لینا پڑتا ہے اسکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اس شے میں فلان فلان چیزیں پائی جاتی ہیں (۲) فلاں فلاں چیزیں اس شے کی ذاتی ہیں اور فلاں عرضی (۳)۔ ذاتیات میں فلاں چیزیں فصل ہیں، اور فلاں خاصہ اور فلاں عرض عام، یہ تمام مقدمات قضا اور تصدیقات ہیں اسلئے معرف در اصل تصدیقات سے حاصل ہوتا ہے نہ تصورات سے شاید یہ کہا جائے کہ معرف گو حاصل تصدیقات سے ہوتا ہے لیکن خود تصور ہے لیکن یہ صحیح نہیں، منطق کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ جو علم قضایا کے ترتیب دینے سے حاصل ہوتا ہے وہ تصدیق ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوچکا کہ معرف کا علم قضایا ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ شاید کہا جائے کہ معرف گو قضایا سے ہوتا ہے اور گو وہ ابتدائی درجہ میں خود بھی قضیہ اور تصدیق ہوتا ہے لیکن ہم معرف اس سادہ تصور کا نام رکھتے ہیں جو اس قضیہ کے بعد حاصل ہوتا ہے مثلاً جب ہم انسان کی حقیقت معلوم کرنی چاہتے ہیں تو ترتیب مقدمات کے بعد ہم کہتے ہیں کہ انسان کی حقیقت حیوان ناطق ہے اسوقت تک یہ ایک جملہ اور ایک قضیہ ہے لیکن اسکے بعد ہم جسطرح انسان کا سادہ تصور کر سکتے ہیں اسیطرح حیوان ناطق کا بھی سادہ تصور ہو سکتا ہے اور اسی کا نام معرف ہے لیکن اگر اس بنا پر معرف کو تصور کہا جا سکتا ہے تو حجۃ اور تصدیق کو بھی تصور کہنا چاہیے کیونکہ مثلاً جب مقدمات کی ترتیب کے بعد ہمکو یہ علم ہوتا ہے کہ عالم حادث ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ گو اسوقت تک یہ قضیہ ہے لیکن اسکے بعد یہ قضیہ ایک سادہ تصور بن جاتا ہے یعنی حدوث عالم کا تصور اسوقت ہمارے ذہن میں حدوث عالم کا خیال قضیہ اور تصدیق کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ جسطرح مرکبات اضافی کا تصور ہوتا ہے اسیطرح حدوث عالم کا بھی تصور ہے حقیقت یہ ہے کہ معرف کے ادراک میں اگر یہ حیثیت ملحوظ ہو کہ وہ فلاں شے کی حقیقت اور حد ہے تو وہ معرف نہیں بلکہ معرف ہے اس بنا پر معرف کا ادراک جو ہمکو ہوتا ہے وہ تصدیق اور قضیہ کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ لوگ اسکو تصور کی صورت میں لانا چاہیں تو ہر قضیہ بھی تصور کی صورت میں لایا جا سکتا ہے مثلاً خدا ایک ہے عالم حادث

ہے انسان ناطق ہی ان سب قضایا کو اس صورت میں بیان کیا جا سکتا ہی کہ خدا کی وحدانیت عالم کا حدوث، انسان کا نطق، اس صورت میں یہ سب تصورات بنجائیں گے، امام رازی کا جو یہ مذہب ہی کہ تصورات نظری نہیں ہوتے اسکی یہی بنیاد ہے کیونکہ نظر اور فکر کے لئے ضرور ہی کہ مقدمات اور قضایا کی ترتیب سے کام لیا جائے اس صورت میں تصور تصور نہیں رہیگا بلکہ تصدیق بنجائیگا۔

معرف اور حد کی متعلق اہل منطق نے جو نکتہ آفرینیاں اور وقت پسندیاں کیں ہیں انہیں سے اکثر کوہ کندن و کاہ برآوردن ہیں، سرسری بات یہ ہی کہ بارہ سو برس سے آجتک معرف اور حدتام کیلئے انسان اور حیوان ناطق کے سوا کوئی مثال نہ پیدا ہو سکی، اس مثال پر کئی قرن گذر گئے اور اسکے چھوڑنے کی جرأت اسوجہ سے نہیں ہوئی کہ دوسری کوئی مثال جسپر معرف کی تعریف صادق آئیکا پورا اطمینان ہو نصیب نہیں ہوئی لیکن غور سے دیکھو یہ دو ہزار سالہ مثال بھی صحیح ہی یا نہیں؟ انسان کی حدتام حیوان ناطق بتائی جاتی ہے اور حیوان کو جنس قریب اور ناطق کو فصل قریب کہا جاتا ہی لیکن سوال یہ ہی کہ ناطق کے کیا معنی ہیں؟ اہل منطق نے دریابندۂ معقولات سے اسکی تعبیر کی ہی اب سوال یہ ہی کہ ناطق کی حقیقت میں حیوانیت داخل ہی یا نہیں؟ اگر نہیں ہی تو ملائکہ اور عقول مجردہ میں بھی نطق پایا جاتا ہی کیونکہ انسے بڑھکر دریابندۂ معقولات کون ہو سکتا ہی اس صورت میں ناطق فصل نہیں بلکہ جنس ہوگا۔ کیونکہ جو ذاتی اور وں میں بھی مشترک ہو وہ جنس ہی نہ فصل، اور اگر ناطق کی حقیقت میں حیوانیت داخل ہی تو اولاً تو معرف میں حیوان کا داخل کرنا بیفائدہ ہوگا، دوسرے یہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہی کہ حیوانات میں ادراک معقولات نہیں ادراک معقولات کے معنی جزئیات سے کلیات کا استنباط کرنا ہی اور یہ قوت کم و بیش اکثر حیوانات میں پائی جاتی ہے ان اعتراضات سے بچنے کیلئے قدمائے منطقین نے ایک قید اور اضافہ کی تھی یعنے مرنے والا ناطق اور چونکہ اُن کے نزدیک عقول مجردہ کو فنا نہیں اسلئے وہ اس تعریف میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس تعریف کی بنا پر قیامت میں جب دوبارہ آدمی پیدا ہونگے تو وہ انسان نہوں گے کیونکہ اعتقادات مسلمہ کے بموجب دوسری زندگی کے پھر فنا نہیں

اصل غلطی جو اس باب میں اہل منطق نے کی ہی وہ وہ معرف کی قید میں جنس قریب اور فصل کا لازم کرنا ہی متکلمین اسلام معرف کیلئے صرف کافی سمجھتے تھے کہ ایک چیز کے وہ تمام اوصاف بیان کئے جائیں جو الگ الگ اوروں میں بھی پائے جاتے ہوں لیکن انکا مجموعہ اس چیز کے سوا کسی اور چیز میں نہ پایا جائے۔ بخلاف اسکے یونانیوں کے نزدیک حدتام کے لئے حسب ذیل امور ضروری ہیں،

(۱) ایک شے کے تمام ذاتیات ذکر کئے جائیں جو اسمیں اور اوروں میں مشترک ہوں (۲) وہ ذاتی ذکر کیا جائے جو اس شے کے سوا اور کہیں نہ پایا جاتا ہو، اسمیں پہلا مرحلہ یہ ہی کہ ذاتی اور عرضی کی تمیز نہایت مشکل ہی اور اسکو خود بو علی سینا نے تسلیم کیا ہی اور صحیح یہ ہی کہ مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے،

دوسرا امر یہ ہی کہ تمام ذاتیات کا کون احاطہ کر سکتا ہی جدید تحقیقات کی رو سے جن چیزوں کو بسیط خیال جاتا تھا مرکب ثابت ہو گئیں۔ اور مرکبات کے جس قدر اجزا پہلے قرار پائے تھے اُس سے بہت زیادہ نکل آئے غرض حد تام میں جنس قریب کی قید لگائی اور جنس قریب کی یہ تعریف کرنی کہ تمام اجزاء مشترکہ کا مجموعہ ہو، حد تام کو عنقا بنانا ہی

ذاتی وعرضی تصورات کے اکثر مسائل ذاتی وعرضی کی تفریق پر مبنی ہیں، اسلئے پہلے اسپر غور کرنا چاہیے کہ یہ تفریق صحیح ہی یا نہیں۔ ذاتی کی یہ تعریف کی گئی ہی کہ شے کی نفس حقیقت میں داخل ہو اور شے کا تصور تام بغیر اُس کے تصور کے نہو سکتا ہو۔ مثال میں اسکو یوں سمجھو کہ مثلاً انسان میں مختلف اوصاف پائے جاتے ہیں، چلتا ہی پھرتا ہی کھاتا پیتا ہی، ہنستا ہی روتا ہی انمیں بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جو اور جانوروں میں نہیں پائے جاتے لیکن اگر ان سب سے قطع نظر کریں۔ تب بھی انسان کا وجود باقی رہتا ہی بخلاف اسکے اگر حیوانیت اور گویائی سے قطع کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے یعنی اگر یہ نہوں تو انسان بھی نہوگا، اسلئے چلنا پھرنا وغیرہ انسان کی عرضیات میں ہی اور حیوانیت اور گویائی ذاتیات میں ہیں اس بنا پر ذاتی کی یہ تعریف ٹھہری کہ ماہیت کا وجود بغیر اسکے نہ پایا جا سکے، یا یہ کہ ماہیت کا تصور تام بغیر اسکے نہ ہوسکے،، اسپر اعتراض یہ ہی کہ اس صورت میں دور لازم آتا ہی مثلاً ہم کسی شے کی حقیقت دریافت کرنا چاہیں تو اس کا یہ طریقہ ہی کہ اسکے ذاتیات دریافت کریں اور ذاتیات کے دریافت کرنیکا یہ طریقہ ہی کہ ہم یہہ دیکھیں کہ اس شے میں ایسی کیا چیزیں پائی جاتی ہیں جو نفس حقیقت میں داخل ہیں اور جنکے بغیر اسکا وجود اور تصور نہیں ہو سکتا لیکن ابھی تو ہمکو اُس شے کی حقیقت ہی معلوم نہیں اسلئے ہم کیونکر جان سکتے ہیں کہ کونسی چیزیں نفس حقیقت میں داخل ہیں جنکے بغیر اسکا وجود اور تصور نہیں ہو سکتا ابھی ہمکو اس شے کی حقیقت ہی معلوم نہیں اس لئے ہم کیونکر جان سکتے ہیں کہ کونسی چیزیں نفس حقیقت میں داخل ہیں اور کون سی خارج،

مختصر یہ کہ ماہیت کے علم کے لئے ذاتی کا علم ضروری ہی اور ذاتی علم کیلئے ماہیت کا علم ضروری ہی کیونکہ جبتک ماہیت متعین نہو چکے یہ کیونکر فیصلہ کیا جا سکتا ہی کہ فلاں چیز خارج اسی بنا پر جن اشیا کی حقیقت میں اختلاف ہی یعنی ایک شخص انکی حقیقت اور کچھہ بیان کرتا ہی اور دوسرا کچھ اور انکے ذاتیات میں بھی اختلاف ہی ایک شخص اُسکے ذاتیات کچھ اور بیان کرتا ہی اور دوسرا کچھ اور اس سے ثابت ہوتا ہی کہ جبتک ایک چیز کی نسبت یہ فیصلہ نہو جائے کہ اسکی حقیقت تام کیا ہی اسوقت تک یہ بھی فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ اسکے ذاتیات کیا ہیں۔

قیاس اہل منطق کا مذہب ہی کہ قیاس ہمیشہ دو یا زیادہ قضایا سے مرکب ہوتا ہی یعنی صرف ایک قضیہ سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اسپر یہ اعتراض وارد ہوتا ہی کہ اکثر دلائل میں صرف ایک قضیہ مذکور ہوتا ہی مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اسوقت دن ہی کیونکہ اسوقت آفتاب نکلا ہوا ہی اس صورت میں صرف ایک مقدمہ سے استدلال ہی اہل منطق کہتے ہیں کہ یہاں کبری محذوف ہی اصل استدلال یوں ہی کہ اسوقت آفتاب نکلا ہوا ہی اور جب آفتاب نکلا ہوتا ہی تو دن ہوتا ہی لیکن چونکہ کبری

سہل الحصول اور بدیہی ہی اسلئے اسکو ذکر نہیں کرتے اور صرف صغریٰ پہ اکتفا کرتے ہیں۔

اس مقدمہ کی تحقیق کیلئے ہمکو مقدمات ذیل سے کام لینا چاہیئے،

۱۔ اہل منطق نے خود تسلیم کیا ہی کہ اکثر صورتوں میں محض لازم کے تصور سے ملزوم کا تصور ہو جاتا ہی مثلاً جب ہم دھوئیں کو دیکھتے ہیں تو ہمکو فوراً خیال ہوتا ہے کہ یہاں آگ ہی اس صورت میں ممکن ہی کہ ذریعہ علم یہ قیاس منطقی ہو کہ یہاں دھواں ہی اور جہاں دھواں ہوتا ہی وہاں آگ ہوتی ہی لیکن یہ مقدمات ہمارے ذہن میں بالکل خطور نہیں کرتے بلکہ دھوئیں کے دیکھنے کے ساتھ ساتھ آپسے آپ آگ کا خیال دلمیں آجاتا ہی اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ۲۔ یہ امر مسلم ہی کہ اکثر قضایا کا علم بہت سے ابتدائی مقدمات کے جاننے پر موقوف ہوتا ہی مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ عالم متغیر ہی اور جو متغیر ہے حادث ہی تو ہم سمجھتے ہیں کہ حدوث عالم کے علم کیلئے صرف ان دو مقدموں کا علم کافی ہی لیکن درحقیقت یہاں اور بہت سے مقدمات ہیں جنکے جاننے کے بغیر حدوث عالم علم نہیں ہو سکتا مثلاً یہ کہ جو چیز عام کے لئے ثابت ہوگی ضرور ہے کہ خاص کیلئے بھی ثابت ہو کیونکہ اگر یہ مسئلہ ہمکو معلوم نہ ہو تو ہم قیاس سے نتیجہ پیدا کر سکیں گے لیکن باوجود اسکے جب حدوث عالم پر اس طرح استدلال کیا جاتا ہی کہ عالم متغیر ہی اور جو متغیر ہے حادث ہی تو صرف یہی دو مقدمات کافی سمجھے جاتے ہیں اور یہ نہیں کہا جاتا کہ یہاں ایک مقدمہ اور بھی ہی جو محذوف ہی اسکی وجہ یہی ہی کہ گو یہ مقدمہ حقیقت میں ہمارے خیال میں موجود ہی تاہم چونکہ استدلال کے وقت وہ صاف صاف ہمارے پیش نظر نہیں ہوتا اور ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہم استدلال کے وقت اس سے کام لے رہے ہیں اسلئے استدلال کیلئے صرف وہی دو مقدمات کافی سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ استدلال میں صرف یہ امر ملحوظ ہوتا ہی کہ کون سے مقدمات ہمارے پیش نظر ہیں۔ باقی وہ مقدمات جنکی طرف ہمارے ذہن کو بالذات التفات نہیں ہے گو وہ ہمارے ذہن میں موجود ہیں اور درحقیقت انہیں کی مدد سے ہم استدلال کرتے ہیں استدلال میں محسوب نہیں ہوتے۔ اب جبکہ یہ مسلم ہی کہ محض لازم کے تصور سے ملزوم کا تصور ہو سکتا ہی اور دیگر مقدمات کی ترتیب کی ضرورت نہیں پڑتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت سی صورتوں میں صرف ایک قضیہ استدلال کیلئے کافی ہو سکتا ہی مثلاً اگر ہم آفتاب کے طلوع ہونے پر استدلال کرنا چاہیں تو صرف یہ کہنا کافی ہی کہ دن نکلا ہوا ہے اس صورت میں صرف صغریٰ کافی ہی کبریٰ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مسلم ہی کہ محض لازم کا تصور ملزوم کے تصور کیلئے کافی ہی اسلئے جب ہمنے کہا کہ دن نکلا ہوا ہی تو ہمنے لازم یعنی دن کا ذکر کیا اور لازم کا ذکر ملزوم کے تصور کے لئے کافی ہی حسن بن موسیٰ نوبختی نے کتاب الآراء والدیانات میں لکھا ہی وقد یستدل الانسان انما هو بالاثر على انه موثر والكتابة على ان له من غير ان يحتاج في استدلاله على صحة ذلك الى المقدمتين ہم دیکھتے ہیں کہ تمام آدمی روزانہ کاروبار میں ہر وقت صرف صغریٰ سے استدلال کرتے ہیں کبریٰ کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا

ایک جاہل سے پوچھو کہ زراعت کیوں نہیں ہوئی وہ کہیگا کہ پانی نہیں ہوا اور صرف اس قدر کہنا نتیجہ کو مستلزم ہوگا کیونکہ زراعت کا نہونا پانی کے نہونے کے لئے لازم ہے۔

باقی یہ دعوی کہ گو کبری کا ذکر نہیں کیا جاتا لیکن وہ مرکوز فی الذہن ہوتا ہے قیاسات میں یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کا تعین اور بہت سے مقدمات مرکوز فی الذہن ہیں اس امر کے فیصلہ کیلئے کہ دلیل کن مقدمات پر موقوف ہے یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ سلسلہ بسلسلہ اس توقف کا سلسلہ کہاں تک پہونچتا ہے بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ جس وقت ہمکو ایک نتیجہ کا ادراک ہوا تو کون سے مقدمات بالذات ہمارے پیش نظر تھے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آفتاب نکلا ہے کیونکہ دن نکلا ہوا ہے تو ہمکو صاف نظر آتا ہے کہ آفتاب نکلنے کا ادراک ہمکو دن کے ادراک کی وجہ سے ہوا ہے اسکے سوا اور کوئی مقدمہ پیش نظر نہیں ہوتا۔

شکل اول اثبات مطالب میں سب سے زیادہ شکل اول بکار آمد ہے دوسری شکلوں کا انتاج اسی بنا پر ہے کہ وہ شکل اول کی صورت میں بدل سکتی ہیں لیکن شکل اول بھی اکثر صورتوں میں بیفائدہ ثابت ہوتی ہے شکل اول کے انتاج کا مدار اسپر ہے کہ پہلے عام کیلئے ایک حکم ثابت کرتے ہیں پھر ایک چیز کو اس عام کے تحت میں داخل کرتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ حکم اس خاص کو بھی ثابت ہے مثلاً جب یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ عالم حادث ہے تو کہتے ہیں العالم متغیر و کل متغیر حادث اس شکل میں متغیر عام ہے اور عالم خاص پہلے متغیر کیلئے حدوث ثابت کیا پھر ثابت کیا کہ عالم متغیر کے افراد میں ہے اسلئے نتیجہ یہ نکلا کہ عالم بھی حادث ہے غرض شکل اول کا ماحصل یہ ہے کہ پہلے عام کے لئے کلیتہً ایک حکم ثابت کیا جائے پھر اسکے ذریعہ سے وہی حکم خاص پر منتقل کیا جائے اس بنا پر شکل اول میں کبری کا موجبہ کلیہ ہونا ضروری ہے اور اسلئے غور طلب یہ ہے کہ موجبہ کلیہ کیونکر بنتا ہے اسکے صرف تین طریقے ہیں۔

(۱) محمول موضوع کا ذاتی ہو کیونکہ اس صورت میں موضوع کا ہر فرد خواہ مخواہ محمول کے ساتھ متصف ہوگا۔

(۲) ذاتی نہو لیکن استقرار سے یہ معلوم کیا گیا ہو کہ موضوع کا ہر فرد محمول کے ساتھ متصف ہے۔

استقرار کے ذریعہ سے جو کلیہ قائم ہوگا اسکا کبری بنانا بالکل بیکار ہوگا کیونکہ استقرار کے ذریعہ سے حد اوسط کے تمام افراد کا پہلے احاطہ ہو چکا ہے اور انہی افراد میں اصغر بھی ہے مثلاً اگر ہم سرکہ کے بارد ہونے پر اسطرح استدلال کریں کہ سرکہ کھٹا ہے اور کھٹی چیز بارد ہے اسلئے سرکہ بارد ہے تو یہ استدلال بالکل لغو ہوگا کیونکہ استقرار کے ذریعہ سے سرکہ کا بارد ہونا ہمکو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے اسلئے استقرار کے یہی معنی ہیں کہ تمام کھٹی چیزوں کا حال معلوم کیا جائے جن میں سرکہ بھی داخل ہے اگر استقرار کے وقت سرکہ کا دریافت کرنا رہ گیا تو استقرار صحیح نہیں ہوا اور جب سرکہ کا بارد ہونا ہمکو جزئی حیثیت سے معلوم ہو چکا تو اب کیا ضرورت ہے کہ اسکو ایک کلی کے تحت میں داخل کر کے اسکے بارد ہونیکا علم حاصل کیا جائے۔

حاصل یہ کہ استقرار میں جزئیات کا علم پہلے حاصل ہوتا ہے پھر اس سے کلیہ قائم ہوتا ہے اس بنا پر شکل اول میں جب

کبریٰ استقرائی ہوگا تو شکل اول بیکار ہوگی کیونکہ استقرار کے ذریعے سے اصغر کا اکبر کے ساتھ متصف ہونا پہلے ہی معلوم ہوچکا ہی اب شکل اول کے ذریعے سے اسکے معلوم کرنیکی کیا ضرورت ہی مثلاً تم نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ انسان ماشی ہے اور اسکے لئے دلیل یہ قائم کی کہ انسان حیوان ہی اور تمام حیوان ماشی ہیں تو سوال یہ ہوگا کہ تم نے تمام حیوانات کا ماشی ہونا کیونکر معلوم کیا؟ تم کہوگے کہ استقرار سے یعنی ہر قسم کے حیوانات دیکھے ہیں اور سب میں یہ صفت مشترک پائی اسلئے یہ کلیہ قائم کیا کہ تمام حیوانات ماشی ہوتے ہیں لیکن حیوانات میں انسان بھی تھا تو تم نے انسان کا بھی تجربہ کیا ہوگا اور اسمیں بھی یہ صفت پائی ہوگی اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا ماشی ہونا تمکو پہلے معلوم ہوا اور حیوان کا ماشی ہونا اسکے بعد اور جب انسان کا ماشی ہونا پہلے معلوم ہوچکا تو اب اسکی کیا ضرورت ہی کہ تم اس ذریعہ سے انسان کا ماشی ہونا ثابت کرو کہ وہ حیوان کے تحت میں داخل ہی ایسا کرنا صرف بیفائدہ نہیں بلکہ اسمیں دور لازم آتا ہی۔

دوسری صورت میں یعنی جبکہ محمول موضوع کا ذاتی ہو شکل اول بیکار ہوگی کیونکہ اس صورت میں ضرور ہی کہ محمول اصغر کا جزو ہو اور حد اوسط عام ہو مثلاً کل انسان حیوان و کل حیوان حساس اس مثال میں انسان کا حساس ثابت کرنا مقصود ہی اسکو تم نے یوں ثابت کیا کہ ہر انسان حیوان ہی اور ہر حیوان حساس ہی اس لئے ہر انسان بھی حساس ہے اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ جب صغریٰ میں تمکو یہ معلوم ہوا کہ ہر انسان حیوان ہی تو اسی وقت تمکو یہ بھی معلوم ہوچکا کہ ہر انسان حساس ہی کیونکہ حساس ہونا خود انسان کی حقیقت میں داخل ہی اور اسکا جزو ہی اسلئے یہ کیونکر ممکن ہی کہ تمکو کل کا علم ہو اور جزو کا علم نہ ہو۔ انسان کا حساس ہونا پہلے معلوم ہوتا ہی تب اسکا حیوان ہونا معلوم ہوتا ہے اسلئے اگر صغریٰ یعنی انسان کا حیوان ہونا تمکو معلوم ہے تو اسکا حساس ہونا بدرجہ اولی معلوم ہوگا اس صورت میں کبریٰ کے ساتھ ترکیب دینے کی کیا ضرورت ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ شکل اول صرف اس صورت میں مفید ہوتی ہی جب کبریٰ کا علم تقلیدی ہوتا ہی مثلاً ایک طبیب نے ہم سے کہا کہ تمام کھٹی چیزیں بارد ہوتی ہیں ہمنے اسکو تسلیم کرلیا اب جو چیز ہمکو کھٹی نظر آئیگی ہمکو یقین ہوجائیگا کہ وہ بارد ہی کیونکہ ہم نے اس کلیہ کو اپنی تحقیقات اور استقرار سے معلوم نہیں کیا اسلئے ہمنے اسکے ہر فرد کا احاطہ نہیں کیا اور اس لئے ہمکو سرکہ کا بارد ہونا پہلے سے معلوم نہ تھا جب ہمنے اسکو کھٹا پایا تو فوراً یہہ مقدمات ذہن میں آئیں گے کہ یہ کھٹا ہی اور جتنی چیزیں کھٹی ہوتی ہیں سب بارد ہوتی ہیں اسلئے یہ بارد ہے۔

جن صورتوں میں صغریٰ اور کبریٰ دونوں بدیہی ہوں اس صورت میں شکل اول محض بیکار ہوگی حالانکہ اہل منطق کے نزدیک انہی صورتوں میں شکل اول زیادہ بکار آمد ہوتی ہی کیونکہ اصغر کا حد اوسط کے ساتھ متصف ہونا بدیہی ہی تو اکبر کے ساتھ اور بھی زیادہ بدیہی ہی مثلاً یہ آگ ہی اور جو آگ ہی وہ جلاتی ہی یہ استدلال محض لغو ہی کیونکہ انسان پہلے آگ کی خاص خاص افراد کے جلانے کا علم تجربہ کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہی پھر وہ کلیہ قائم کرتا ہی کہ ہر آگ جلاتی ہی اس بنا پر آگ کے ایک خاص فرد کے جلانے کا علم اسکو پہلے حاصل ہوچکا ہی۔ ہاں یہ ممکن ہی کہ اسنے خود آگ کا تجربہ نہ کیا ہو بلکہ کسی سے سنا ہو

کر آگ جلاتی ہی پھر تنے آگ کو دیکھا تو اس صورت میں اسکا یہ استدلال صحیح ہوگا کہ یہ آگ ہی اور جو آگ ہی وہ جلاتی ہی اسلئے یہ جلاتی ہی لیکن یہ وہی صورت ہی کہ اسکو کبری کا علم تقلیداً حاصل ہوا ہی اور اس صورت میں شکل اول کا مفید ہونا ہمنے خود تسلیم کیا ہی

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر

کسی غیر قوم کا کسی غیر ملک پر قبضہ کرنا کوئی جرم نہیں ورنہ دنیا کی سب سے بڑے فاتح سب سے بڑے مجرم ہوں گے لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ فاتح قوم نے ملک کی تہذیب و تمدن پر کیا اثر پیدا کیا چنگیز خاں فتوحات کے لحاظ سے دنیا کا فاتح اعظم ہی لیکن اسکی داستان کا ایک ایک حرف خون سے رنگین ہی مرہٹے ایک زمانے میں تمام ہندوستان پر چھا گئے لیکن اسطرح کہ آندھی کی طرح اٹھے لوٹا مارا چوتھ وصول کی اور نکل گئے۔ انجلاف اسکے متمدن قوم جب کسی ملک پر قبضہ کرتی ہی تو وہاں کی تہذیب و تمدن دفعتہً بدلجاتی ہی سفر کے وسائل رہنے سہنے کا طور کھانے پینے کے طریقے وضع ولباس کا انداز مکانوں کی سجاوٹ گھروں کی صفائی تجارت کے سامان صنعت و حرفت کی حالت ہر چیز پر ایک نیا عالم نظر آتا ہی اور گو مفتوح قوم ضد سے احسان نہ مانے لیکن در و دیوار سے شکر گزاری کی صدائیں آتی ہیں۔ اسی معیار سے ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مسلمان جو ہندوستان میں آئے کس شان سے آئے اور ملک پر انکا کیا اثر ہوا لیکن اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے ہمکو بتانا چاہیے کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب و تمدن کی حالت کیا تھی، چونکہ ہم اس مضمون میں صرف تیموری حکومت کے دور سے بحث کرنی چاہتے ہیں اس لئے اسی زمانے سے پہلے کی حالت کا دکھانا کافی ہوگا،

اگرچہ یہ ظاہر ہی کہ اس سے قبل کی اسلامی حکومتوں نے بھی ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو کچھ نہ کچھ ضرور ترقی دی تھی تاہم بابر نے ترکستان سے آکر ہندوستان کو جس حالت میں دیکھا اسکی تصویر اسی کے لفظوں میں یہ ہے[1]-
اسپ خوب نمے گوشت خوب نے انگور و خربزہ و میوہ ہائے خوب نے یخ و آب سرد نے حمام و مدرسہ نے شمع و مشعل نے شمعدان نے بجائے شمع ہشعل جمع کثیر چرکینے می باشد دیوٹی میگویند در دست چپ خود سہ پایہ خوردی را گرفتہ اند کہ ازین سہ پایہ در کنار یک پایہ مثل سر شمع داں یک آہنے را بہ چوب ہمیں سہ پایہ مضبوط کردہ اند یک فتیلہ ستبی را کہ برابر انگشت بودہ باشد بہ چوب آہن دار پایہ دیگر بستہ اند در دست راست ایشان یک کدوے ست کہ سوراخ آن را تنگ گذاشتہ اند کہ روغن ازاں جا بار یک شدہ می ریزد بادشاہاں و امرائے ایشان شب ہا اگر کاری کہ احتیاج بہ شمع داشتہ باشند ہمیں دیوٹ ہائے چرکین ایں چراغ آوردہ نزدیک گرفتہ می ایستند در باغ و عمارت ہا آب ہائے رواں نے در عمارت او صفا و ہوا و انداز و اسلوب نے رعیت و مردم ریزہ تمام پائے برہنہ می گردند لنگوتہ گفتہ یک چیزے می بندند زنان آن خود یک لنگے بستہ اند نصف آں را در کمر بستہ اند و نصف دیگر را بر سر خود انداختہ اند تزک بابری صفحہ ۲۰۴،

[1] بابر نے اپنے حالات ترکی زبان میں لکھے تھے جو تزک بابری کے نام سے موسوم ہی عبدالرحیم خانخاناں نے اسکا فارسی میں ترجمہ کیا جو بمبئی میں چھپ

ترجمہ ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں اچھا گوشت نہیں انگور نہیں خربزہ نہیں برف نہیں آب سرد نہیں حمام نہیں مدرسہ نہیں شمع نہیں شمع دان نہیں شمع کے بجائے دیوٹ ہوتا ہے یہ تین پایہ کا ہوتا ہے ایک پایہ میں چراغ دان کے منھ کے شکل کا ایک لوہا لکڑی میں وصل کر کے لگا دیتے ہیں ایک دھیمی بتی دوسرے پائے میں لگی ہوتی ہے داہنے ہاتھ میں کدو کی ایک تونبی ہوتی ہے جس کا سوراخ تنگ ہوتا ہے اسی کی راہ سے تیل کی پتلی سی دھار گرتی ہے راجوں مہاراجوں کو رات کے وقت روشنی کا جب کچھ کام پڑتا ہے تو نوکر چاکر یہی کثیف دیوٹ لیکر انکے پاس کھڑے ہوتے ہیں۔ باغوں اور عمارتوں میں آب رواں نہیں عمارتوں میں نہ صفائی ہے نہ موزونی نہ ہوا نہ تناسب عام آدمی ننگے پاؤں ایک لنگوٹی لگائے پھرتے ہیں عورتیں لنگی باندھتی ہیں جسکا آدھا حصہ باہر کو قریبًا چار سو برس ہوئے لیکن آج بھی ہندوستان اُسکے بیان کی عینی شہادت دینے کو موجود ہے۔

اب دیکھو تیموریوں نے ہندوستان میں آکر تہذیب تمدن کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا تہذیب تمدن کی سیکڑوں جزئیات ہیں ان میں سے مختصرًا ہم بعض بعض کی تفصیل لکھتے ہیں۔

زمین کی پیداوار ہندوستان اگرچہ زراعتی ملک ہے اسلئے نباتات اور ثمرات کی قسم سے تمام چیزیں یہاں پیدا ہونی چاہیے تھیں لیکن ہندو چونکہ ملک سے کبھی نکلتے نہ تھے اسلئے انکو دنیا کے ثمرات اور مزروعات کی خبر نہ تھی اسلئے سوا اُن کی قناعت پسند طبیعت کیلئے بڑھل کٹھل اور پھوٹ کیا کم تھی تیموریوں نے یہاں آتے کے ساتھ اس طرف توجہ کی اور ایران وخراسان کے لطیف پھول اور پھل لاکر تمام ہندوستان میں پھیلا دئے قلم اور پیوند لگانے سے ہندو مطلقًا واقف نتھے سب سے پہلے اکبر کے زمانے میں محمد قلی افشار نے جو کشمیر میں داروغہ باغات تھا کابل سے شاہ آلو منگوا کر پیوند لگایا اور پھر عام رواج ہوگیا تاہم اکبر کے زمانے تک آم کی قلم نہیں لگ سکتی تھی خافی خاں واقعات ۱۰۲۹ھ (صفحہ ۳۰۲) میں لکھتا ہے

پیوند دادن اشجار میوہ دار در کشمیر در تمام ہندوستان نبود محمد قلی افشار داروغہ باغات کشمیر در عہد عرش آشیانی اول نہال شاہ آلو از کابل طلبیدہ پیوند نمودہ بہ آب وہوائے آن جا موافق آمد از ان ایام رواج یافت و سال بسال در ہمہ بلاد ہندوستان ازین پیوند میوہا شاداب شیرین بالیدہ گردید الا درخت انبہ را پیوند نتوانستند نمود

اسی زمانہ میں اور بہت سے میوے ولایت سے آئے انناس بھی اسی زمانے میں یورپ سے آیا جہانگیر تزک میں لکھتا ہے (صفحہ ۳)

در ایام دولت حضرت عرش آشیانی (یعنی اکبر) اکثر میوہائے ولایت کہ در ہند نبود بہم رسید اقسام انگور از صاحبی وحبشی وکشمشی در شہرہائے متعدد شایع گشت از جملہ میوہا میوہ ایست کہ آن را انناس می نامند و در بنادر فرنگ می شود در غایت خوشبوئی وراست مزگی ست در باغ گل افشاں آگرہ ہر سال چندین ہزار بری آید درختان سرو وصنوبر وچنار وسفیدار وبید مولہ کہ ہرگز در ہندوستان خیال نکردہ بودند بہم رسیدہ وبسیار شدہ درخت صندل کہ خاصۂ جزائر بود در باغ نشو ونما یافتہ،،

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں صندل کے درخت عمومًا باغوں میں ہوتے تھے حالانکہ آج اس ترقی کے زمانے میں بھی یہاں صندل کا نام ونشان نہیں پستہ بھی آجکل ہندوستان میں پیدا نہیں ہوتا ہے لیکن اکبر کے زمانے میں پستہ کا درخت بویا گیا اور بار آور ہوا آئین اکبری میں ہے

ہمچناں تربزو شفتالو و بادام و پستہ و انار و جز آن پیدا شدہ گرفتہ۔

پھول ہندوستان میں یوں بھی کثرت سے تھے یہاں تک کہ جہانگیر جب کشمیر گیا تو استاد منصور کو جو شاہی مصور تھا حکم دیا کہ خاص کشمیر کے پھولوں کی تصویریں کھینچے چنانچہ سو سے زیادہ پھولوں کی تصویریں لی گئیں تزک میں جہانگیر خود لکھتا ہے۔

انچہ نادر العصری استاد منصور نقاش شبیہ کشیدہ از یکصد گل متجاوز است،

لیکن تیموریوں کی خوش مذاقی نے اسپر قناعت نکی بلکہ ایران اور توران کے پھول منگوا کر ہندوستانکو ایران کا چمن زار بنا دیا آئین اکبری میں ہے۔

وگلہائی ایرانی و تورانی از گل سرخ و نرگس و بنفشہ و یاسمن کبود و سوسن و ریحان و رعنا و زیبا و شقائق و تاج خروس و قلغہ و نافرمان و خطمی و جز آن نیز پیدا شود

ہندوستان کے گنوار مالی باغ میں یوں ہی بے ترتیب درخت لگاتے تھے چمن بندی خیابان جدول تختہ بندی کا کسی نے نام بھی نہیں سنا تھا نہ باغوں میں کسی قسم کی عمارت اور آبشار ہوتے تھے بابر نے ہندوستان میں آکر ان چیزوں کو رواج دیا ابو الفضل لکھتا ہے۔

بیشتر و بستان نا مرتب کے ترتیب بودند ازان باز کہ قدوم فردوس مکانی (بابر) ہندوستان را فروغ افزود خیابان بندی و طرح آرائی پدید آمد و عمارتہائے دلکشا و آبشار ہائے سامعہ افروز دیدہ وران آفاق را بہ شگفت آورد،

صنعت اور مصنوعات

تیموریوں نے سیکڑوں قسم کی صنعتیں جاری کیں جن سے یہاں کے اصلی باشندے ناواقف تھے ان سب کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے ہم صرف بعض کے نام اور مختصر کیفیت لکھتے ہیں،

پارچہ جات ہندو ہمیشہ سے نہایت سادہ لباس پہنتے تھے اور غالباً لنگوٹی گاڑھے کے سوا اور کچھ بنانا آتا ہو گا اکبر نے دلی۔ لاہور آگرہ فتح پور احمد آباد گجرات میں پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے جاری کئے اور ایران اور چین کے کاریگر بلوا کر ہر قسم کے قیمتی کپڑے تیار کرائے ابو الفضل لکھتا ہے۔

از توجہ گیتی خداوند گوناگون قماش چہرہ بر افروخت ، ایرانی و فرنگی و ختائی فراوان شد و استادان کار پردازد ہنرمندان نادرہ آئین آمدہ ہنگامہ آموزش گرم ساختند و پیش گاہ حضور و شہر لاہور و فتح پور و احمد آباد و گجرات کارنامہا پدید آمد بہ گوناگون تصویر نقش و گرہ و شگرف طرح بار روائی گرفت و عامہ نوردیان کالا شناس بہ شگفت افتاد از قدردانی نادرہ کاران زود یاب این چیزہا نیز آموختند،

ابو الفضل نے ان سب چیزوں کپڑوں کے نام اور انکی قیمتیں لکھی ہیں انمیں سے بعض کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مخمل زربفت فرنگی گجراتی کاشی ہروی لاہوری گجراتی دارائی مقیش شیروانی مشجر فرنگی دیبائے فرنگی دیبائے یزدی خارا اطلس ختائی خضر مخمل فرنگی خفانی سہ رنگا قطنی تان فرنگی تافتہ اکبری مطبق،

یہ سب ریشمی کپڑوں کے نام ہیں سوتی کپڑوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

چوتار ململ تن سکھ سری صاف گنگا جل بھیرون ساوہ بہادر شاہی گرہ سوتی شیلہ دکنی مہرکل سہن جھونا ساولی محمودی پنچتولیہ جھولہ چھینٹ وغیرہ وغیرہ

شال جو کشمیر میں بنتی تھی اکبر نے اسکو بھی بہت ترقی دی پہلے صرف تین چار رنگ کی شالیں ہوتی تھیں اکبر نے طرح طرح کے نئے رنگ ایجاد کئے مثلاً نارنجی برنجی قرمزی کاہی ارغوانی عنابی عسلی سوسنی جگری زمردی وغیرہ وغیرہ پوری تفصیل آئین اکبری میں ہے اسکے علاوہ پہلے سادی شال بنتی تھی اکبر نے اور بہت سی قسمیں ایجاد کیں ابو الفضل لکھتا ہے۔

ونیز زردوزی وکلابتون وکشیدہ وقلغہ وباندھنوں وچھینٹ وآنچہ وہر نرداراز فروغ خاطر والاست،

پہلے شال کا کارخانہ صرف کشمیر میں تھا اکبر کے زمانے میں خاص لاہور میں ہزار سے زیادہ کارخانے جاری ہوگئے۔

بندوبست آراضی اور پیمائش

ہندوؤں کے زمانے میں تشخیص مالگذاری کا صرف یہ طریقہ تھا کہ ہل پیچھے کچھ رقم مقرر کر دیتے تھے زمین کی پیمائش اور مختلف لیاقتوں کے لحاظ سے جمع کی تشخیص نہیں جانتے تھے خافی خاں لکھتا ہے:-

مخفی نماند کہ ولایت پُر وسعت شش صوبہ دکن از قدیم ملکسا بود زرخیز سیر حاصل کہ دستور تشخیص جمع مال بر سر بیگہ و شمارہ پیمودن زمین بہ جریب و تقسیم غلہ نمودہ گرفتن درمیان نبود چنان مقرر بود کہ ہر یکے از دہاقین و مزارعان کہ بہ یک قلبہ و یک جفت گاؤ آنچہ مے توانست کشت کاری نمود ہر جنسے از حبوبات و بقولات کہ می خواست کاشت بر ہر قلبہ قلیلے باختلاف بلاد و پرگنات و سرکاری داد باز پرس کیست بہم رسیدن غلہ و غیرہ درمیان

خافی خاں نے دکن کے ذکر کی خصوصیت کی وجہ سے دکن کا نام لیا ورنہ کل ہندوستان کا یہی حال تھا سب سے پہلے اکبر کے عہد سنہ ۲ جلوس شاہی میں راجہ ٹوڈرمل نے زمین کی پیمائش کرائی اسکے مختلف درجے قائم کیے اور اختلاف درجات کے لحاظ سے مختلف شرحیں مقرر کیں لیکن دکن میں اب تک وہی قدیم طریقہ جاری تھا شاہجہاں کے عہد میں مرشد قلی خاں نے جو دکن کا صوبہ دار تھا حسب ذیل انتظامات کیے۔

(۱) زمین کی پیمائش کرائی (۲) قابل زراعت اور ناقابل زراعت کی تفریق کی (۳) تقاوی دینے کا قاعدہ جاری کیا۔ (۴) تشخیص جمع کے متعدد طریقے مقرر کیے جنکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) بٹائی اس میں زمین کی تین قسمیں کیں۔ بارانی اس میں نصف بٹائی مقرر کی یعنے جسقدر غلہ پیدا ہوا اسمیں آدھا سرکاری حق ہے۔ چاہی یعنی وہ زمین جو آب پاشی کے ذریعہ سے کام میں لائی جائے اسمیں صرف ایک تہائی سرکار کا حق تھا ایکھ انگور۔ کیلہ پوست زیرہ اسبغول ان چیزوں میں نویں حصے سے لیکر چہارم تک سرکاری مالگذاری میں داخل ہوتا تھا۔ نہری یعنی وہ زمین جس میں نہروں سے آب پاشی کی جاتی تھی (۲) جریب اس طریقہ میں فی بیگہ چوتھائی پیداوار لی جاتی تھی۔ شاید ایک نکتہ چیں بول اٹھے کہ زمین کا بندوبست وغیرہ جو کچھ کیا تھا ٹوڈرمل نے کیا تھا جو ہندو تھا لیکن یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہر سلطنت میں دوسری قوموں سے بھی کام لیا جاتا تھا لیکن وہ سلطنت ہی کے کارناموں میں محسوب ہوتا ہے اسکے علاوہ یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ ٹوڈرمل کے اکثر کاموں میں امیر فتح اللہ شیرازی کی شرکت تھی جسکے فضل و کمال کا تمام ہندوستان اور ایران میں جواب نہ تھا ابو الفضل اسکی نسبت کہا کرتا تھا کہ اگر کہن نامہ ہائے دانش مفقود شوند اساس نو برنہد سنہ ۳۰ جلوس اکبری میں وہ امین الملک مقرر ہوا اور حکم ہوا کہ ٹوڈرمل اسکے مشورہ سے ملکی اور مالی کاموں کو انجام دے چنانچہ ماثر الامرا میں ہے۔

حکم شد کہ راجہ ٹوڈرمل مہمات ملکی و مالی بہ صواب دید امیر موبراہ کند وکہن معاملہا کہ از زمان مظفر خان تشخیص نیافتہ بہ انجام رساند امیر فصلی چند کہ متضمن کفایت سرکار و رفاہ رعایا بود برگذارد و پذیرفتہ شد (صفحہ ۱۰۱ جلد اول)

[illegible]

افزائش و کسی ملک کے تمدن کی ترقی کا ایک بڑا لازمہ یہ ہے کہ غیر ملک کے حیوانات کی نسلیں اضافہ کی جائیں ملکی جانوروں
ترقی حیوانات کے نسلوں کی ترقی و تربیت اور وسعت کا انتظام کیا جائے تیموریوں نے اس صیغہ کو بے انتہا ترقی دی۔

اونٹ اس ملک میں بالکل نہیں ہوتے تھے ضرورت کیلئے باہر سے منگوائے جاتے تھے اور اسوجہ سے ہر شخص نہیں بہم پہنچا سکتے تھے اکبر نے اسکے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا اور چند روز میں نہایت عمدہ نسلیں تیار ہو گئیں ابوالفضل آئین اکبری میں

وبہ شاہی خواہش راچنان نتایج برگرفتند کہ از عراقی بختیاں برگذشت (صفحہ ۶ جلد سوم مطبوعہ نولکشور)

اجمیر جودھ پور ناگور بیکانیر جسلمیر بھنڈا میں کثرت سے نسلیں پھیلیں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ایک ایک شخص کے پاس دس دس ہزار اونٹ تک ہوتے تھے۔ ہندوستان کے اصلی گھوڑے پست قد ہوتے تھے جنکو اس زمانے میں گوٹ یا ٹانگن کہتے تھے اکبر کے زمانے میں سوداگر عراق عرب، روم ترکستان بدخشان تبت وغیرہ سے گھوڑے لاتے تھے لیکن اکبر نے نئی نسلوں کے پیدا کرنیکا انتظام کیا اور نہایت اعلیٰ درجے کے گھوڑوں کی نسلیں تیار ہوئیں جہانگیر تزک میں لکھتا ہے

پیش از عہد دولت حضرت عرش آشیانی (یعنی اکبر) مدار سواری مردم ایں جا بر گونٹ بود اسپ کلاں نمی داشتند مگر از خارج اسپ عراقی و ترکی برسم تحفہ جہت حکام آوردندے گونٹ عبارت از یابوئی ست چہار شانہ بہ زمین نزدیک در سایہ کوہستان ہند فراواں می باشد بعد ازاں کہ این گلشن خدا آفرین بہ تائید دولت و یمن تربیت خاقان سکندر آئین رونق جاوید یافت بسیارے از ایماقات در این صوبہ جاگیر مرحمت فرمودہ گلہ ہائے اسپ عراقی و ترکی حوالہ شد کہ کرہ (بچھیرے) بگیرند و رفتہ رفتہ اسپان بہم رسیدہ (صفحہ ۱۰۳)

ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے۔

کارشناسان دیدہ ور در نتایج این ہوش پذیر آدمی خو دل بستند و اندک فرصتے ہندوستان با جستان عرب دو بیا از عربی و عراقی جدا نتوانند کرد (جلد اول صفحہ ۹۴)

اسکے بعد گھوڑوں کی خرید و فروخت اور ترقی اور نمائش کیلئے اکبر نے جو انتظامات کئے تھے اسکو ابوالفضل نے بہ تفصیل لکھا ہے۔ خچر صرف پکھلی کے علاقہ میں ہوتے تھے لیکن سواری کے قابل نہیں ہوتے تھے اور لوگ انکی سواری کو گدھے کی طرح ننگ سمجھتے تھے اکبر نے انکی نسل کو اس قدر ترقی دی کہ ہزار روپیہ تک اسکی قیمت پہونچی اور لوگوں کو اسکی سواری سے عار نہ رہا[1]۔

اکثر جانور ایسے ہیں جو جنگل کے سوا بچے نہیں جنتے مثلاً ہاتھی شیر چیتے چکور سارس وغیرہ لیکن تربیت کے ذریعے سے اسقدر انکے اخلاق اور عادات میں تغیر پیدا کیا گیا کہ گھروں میں انسے بچے اور انڈے پیدا ہوتے اکبر کے زمانے میں ہزار چیتوں کو یکجا کیا اور چاہا کہ نر و مادہ سے جفت ہو لیکن ناکامیابی ہوئی جہانگیر کے عہد میں اسقدر تغیر ہوا کہ ہاتھی اور چیتے مادہ سے جفت ہوئے اور بچے جنے جہانگیر تزک میں لکھتا ہے،

یوز مقرر ست کہ در غیر جاہائے کہ می باشد بہ مادہ خود جفت نمی شود چنانچہ والد بزرگوار م یک مرتبے تا ہزار یوز جمع کردہ بودند بسیار خواہاں آن بودند کہ آنہا با یکدیگر جفت شوند صلا ممکن نشد و بارہا یوز نر و مادہ را در باغات قلادہ برآوردہ سر دادند در آنجا ہم نشد درین ایام یوز نر قلادہ خود را گسیختہ بر سر مادہ رفتہ بعد از دو نیم ماہ سہ بچہ زائیدہ و کلان شدہ۔

[1] آئین اکبری جلد اول صفحہ ۱۰۴۔

جہانگیر نے فخریہ لکھا ہے کہ میرے زمانے میں صحرائی جانور اسقدر رام ہو گئے ہیں کہ شیر اور چیتے قطار در قطار بے قید و زنجیر شہر میں چھوٹے پھرتے ہیں اور کسی کو نہیں ستاتے ہتنی شیرنی چکور کے بچے جننے اور انڈے دینے کا حال جہانگیر نے تزک میں لکھا ہے جہانگیر نے ایک عظیم الشان جانور خانہ تیار کرایا تھا اسکو حیوانات کا اس قدر شوق تھا کہ اپنے ایجنٹوں کو دور و دراز مقامات پر نئے نئے جانوروں کے مہیا کرنے کیلئے بھیجتا تھا ایک دفعہ مقرب خاں کو گووا میں بھیجا کہ وہاں سے یورپ وغیرہ کے نادر جانور خرید کر کے لائے مقرب خاں بےشمار روپیہ خرچ کر کے بہت سے عجیب غریب جانور لایا انھیں میں پیرو بھی تھا جسکو انگریزی مرغی کہتے ہیں چنانچہ اس واقعہ کو جہانگیر نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکا اقتباس یہ ہے۔

حسب الحکم بہ استعداد تمام بہ گووا رفت و مدتے دراں جا بودہ نفایسے کہ دراں بندر بدست افتاد اصلا روئے زر ندیدہ ہر تحفہ کہ فرنگیان خواستند زر داده گرفت از ہر جنس چیزہا و تحفہا داشت ازاں جملہ جانورے چند آوردہ بود بسیار عجیب غریب چنانچہ تاحال ندیدہ بودم بلکہ نام او کسے نمی دانست

جہانگیر نے ان تمام جانوروں کی تصویریں بھی کھچوائیں چنانچہ تفصیل اسکی آگے آئے گی انہیں سے ایک جانور کا حال ان لفظوں میں

میمونے آوردہ بود بہ ہیات غریب دست و پا گوش و سر او بعینہ میمون ست و روے او بروے روباہ می ماند رنگ چشمہای او برنگ چشم باز لیکن چشم او از چشم باز کلاں تر ست از سر او تا سر دم یک ذرع معمول بودہ ہست از میموں پست تر و از روباہ بلند تر ہست پشم او بطریق پشم گو سفند و رنگ آن خاکستری ہست از بنا گوش تا زنخ سرخ ست می گون و گاہی آوازی از و ظاہر مے شود بطریق آواز آہو برہ مجملا چیزے غرائب دارد،

• جانوروں کی پرورش پرداخت تربیت علاج وغیرہ کے متعلق اس قدر سامان فراہم کئے گئے تھے کہ انکی تفصیل اس مضمون میں نہیں آسکتی آئین اکبری اور تزک جہانگیری دیکھنی چاہیئے۔

سنہ ١٠٢٣ھ میں ولایت زیرباد سے ایک عجیب غریب پرندہ چڑیا خانہ میں داخل ہوا جسکی کیفیت جہانگیر نے ان الفاظوں میں لکھی ہے۔

یکے از خصوصیات این جانور آن ست کہ تمام شب پا خود را بہ سر شاخ درختے یا چوبی کہ ادا بران نشانیدہ باشند بند کردہ خود را سر شیب (الٹا) می سازد و با خود زمزمہ می کند آب مطلق نمی خورد و در طبیعت او کار زہر می کند تا آن کہ بقاے حیوانات بر آب ست

رفاہ عام کے کام عمارات اور سٹرک وغیرہ

اس محکمہ کو تیموریوں نے بے انتہا ترقی دی لیکن انصاف یہ ہے کہ اسکا سنگ بنیاد شیر شاہ نے رکھا تھا، تیموری اسکے مقلد تھے شیر شاہ نے بنگال سے آگرہ مانڈو اور سونپت تک راستہ میں مسجدیں پختہ کنوئیں اور سرائیں بنوائیں اور حکم دیا کہ ہندو اور مسلمان سب کے لئے سراؤں میں کھانا مہیا رہے سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگائے چنانچہ خافی خاں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

بایں راہ بنگالہ تا اکبرآباد و ماندو و سنپت کہ مسافت بعید ست برائے مسافران مسجد و چاہ پختہ ساختہ و در مساجد موذن و جاروب کش بہر یک [illegible] مقرر نمودہ و بہر سرا با طعام پختہ و خام برائے مسافرین و مترددین مسلمین و ہنود قرار دادہ بہمت تحقق آن غلامان و نوکران نگاہ داشتہ بود گو سپند آن [illegible] بہر دو طرف [illegible] درختان [illegible] زبان [illegible] ہندگردیدہ [illegible] چنان سرکار در سرا [illegible]

انتہا [illegible] بطریق [illegible] اختراع او ست [illegible] راہ با [illegible] مسافران [illegible]

تزک جہانگیری [illegible] منتخب اللباب خافی خاں [illegible]

جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اس محکمہ کی طرف توجہ کی چنانچہ احکام دوازدہ گانہ میں سے دوسرا حکم یہ تھا کہ راستوں میں مسجدیں کنوئیں سرائیں تیار کیجائیں اسکے ساتھ یہ حکم دیا کہ جو شخص لاوارث مرے اسکی متروکہ سے مسجدیں اور سرائیں کنوئیں اور تالاب تعمیر کئے جائیں اور پلوں کی مرمت کرائی جائے انھیں احکام دوازدہ گانہ میں یہ بھی تھا کہ تمام بڑے بڑے شہروں میں اسپتال بنائے جائیں جنمیں سرکاری طبیب علاج کیلئے مقرر ہوں اور دوا وغیرہ کا صرف سرکار سے دیا جائے

سال اول جلوس میں جہانگیر نے حکم دیا کہ تمام شہروں میں غلہ خانہ قائم کئے جائیں جہاں راہ گیروں اور مسافروں کو کھانا تقسیم کیا جائے چنانچہ تزک میں لکھتا ہے -

در تمام ممالک محروسہ خواہ در محال خالصہ وخواہ جاگیردار حکم فرمودم کہ غلور خانہا ترتیب دادہ بجہت فقرا فراخور گنجائش آن محل طعام درویشانہ طبخ می نمودہ باشند تا مجاوران و مسافران بہ فیض رسند[1]

سنہ ۱۰۲۰ھ میں اس صیغہ کو اور وسعت دی یعنی عام طور پر فقراء کے لئے لنگر خانے بنوائے چنانچہ تزک میں لکھتا ہے -

ہفدہم ذیقعدہ حکم کردم کہ در شہرہائے کلاں ممالک محروسہ مثل احمد آباد و الہ آباد و لاہور و آگرہ و دہلی وغیرہ غلور خانہ بجہت فقرا ترتیب دہند[2]

سنہ ۱۰۲۹ ہجری میں اس پر اور اضافہ کیا چنانچہ اسکی تفصیل خافی خاں ان الفاظ میں لکھتا ہے

درہمیں سال کہ مراد از سنہ ہزار و بست و ہشت باشد حکم فرمودند کہ مابین راہ از لاہور تا تعلقہ سرحد باآدہ بہ فاصلہ یک کروہ جریبی یکسہ میل و مابین دو میل یک چاہ بسازند و ہمہ جادہ رستہ درختان سایہ دار نشانند و بہ زمینداران و حکام احکام ترتیب اشجار صادر فرمودند ہر جا محال خالصہ یعنی شاہی جاگیر برائے ساختن سرا حکم نمودند و بامرا حکم فرمودند کہ در تعلقہ محال جاگیر خود ہر مکانے کہ قابل سرا ساختن باشد برای نزول مسافرین دستر دین سرائے پختہ و مسجد و چاہ تعمیر و اکثر جاگیرداران بموجب اشارہ بادشاہ و ہم چشمے یک دیگر بنائے خیر احداث سراہا ہر چہار پنج کروہ گذاشتند[3]

غور کرو ایک ایک کوس پر دو دو میل کے بیچ میں ایک ایک کنواں چار چار میل کے بیچ میں سرائیں بنوانا کسقدر مصارف کثیر کا کام ہے اور جس ملک میں یہ انتظام ہو وہاں سفر کرنا کس قدر آسان ہوگا،

جہانگیر نے سڑک پر جو میل بنوائے تھے وہ بڑی بڑی چوڑی مینار کی شکل کے تھے اور آج بھی پنجاب کی راہ میں موجود ہیں اور ریل پر سے نظر آتے ہیں راستے کی امن و امان اور سفر کی آسانی کا یہ نتیجہ تھا کہ ایران اور بغداد اور شام کی چیزیں ہندوستان کے بازاروں میں اس کثرت سے ملتی تھیں کہ خود ان ملکوں میں نہیں ملسکتی تھیں ویسی چیزیں ایک طرف پھل اور میوے تین تین مہینے کے راستے سے تازہ بتازہ پہونچتے تھے جہانگیر نے ایک موقع پر خود اس انتظام پر اس ہتھیاب کے ساتھ خدا کا شکر کیا ہے سنہ ۱۱ جلوس میں جب اسکے دسترخوان پر مختلف ملکوں کے تازہ میوے ایک ساتھ چنے گئے تو اسکو بھی حیرت ہوئی اور بول اٹھا کہ اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے چنانچہ لکھتا ہے،

در یکخواں چندین قسم میوہ حاضر آوردند خربزہ کاریز و خربزہ بدخشان و کابل و انگور سمرقند و بدخشان و سیب سمرقند و کشمیر و جلال آباد و انناس کہ از میوہ ہای بندر ہائے فرنگ است و کولہ کہ در شکل و اندام خورد تر از نارنج است و در صوبہ بنگالہ خوب می شود شکر این نعمت بکدام زبان ادا توانم نمود (صفحہ ۱۶۳)،

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۳ [2] تزک جہانگیری صفحہ ۳۵ [3] خافی خاں صفحہ (۲۹۸)

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ یہ انتظام بادشاہوں کے لئے مخصوص تھا بلکہ ہر کس و ناکس کو یہ چیزیں بازار میں میسر آسکتی تھیں آئین اکبری میں تفصیل سے لکھا ہے کہ کہاں کہاں سے میوہ جات آتے تھے اور تمام بازاروں میں بکتے تھے۔

آج اس وسعت اس انتظام اس ترقی کے زمانے میں ہمکو بلوچستان اور کابل سے اُدھر کے میوے نصیب نہیں ہو سکتے۔

راستوں کے انتظام اور ڈاک کے بیان میں یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ معمولی طریقے کے علاوہ نامہ بر کبوتر بھی تیار کئے گئے اور ان سے کام لیا گیا چنانچہ جہانگیر تزک میں لکھتا ہے:

بہ کبوتر بازاں فرمودم کہ این بارا آموختہ کنند و این کبوتر بازان چند جفتے را چناں آموختہ کردند کہ در اول روز کہ از ماندو پرواز آن بامی نمودیم اگر ترشح باران بسیار نمی شد نہایتش تا دو نیم پہر بلکہ تا یک و نیم پہر بہ برہان پور می رسیدند و اگر ہوا بغایت صاف می بود اکثری در یک پہر می رسیدند (صفحہ ۱۹۱)

ایجادات و اختراعات۔ تمدن کی ترقی کا ایک ضروری نتیجہ ایجادات اور اختراعات ہیں تیموریوں کے زمانے میں ہر شاخ میں طرح طرح کی چیزیں ایجاد ہوئیں ان میں سے جو علمی ایجادات تھے انہیں سے بعض کا حال ہم لکھتے ہیں۔

ایک عجیب غریب حوض۔ یہ حوض فن عمارت کی ایسی بو العجبی تھی جسکی نظیر آج بھی مشکل سے ملیگی اسکا موجد حکیم علی تھا جو اکبر کے دربار کا مشہور حکیم اور موجد تھا یہ حوض حکیم موصوف نے ۳۹ سنہ جلوس اکبری میں بنایا تھا جسکی یہ کیفیت تھی کہ حوض کے اندر ایک مختصر سا کمرہ تھا جسمیں دس بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے کمرہ میں ہر طرف سے روشنی آتی تھی لیکن ہوا کا رخ اس طرح قائم کیا تھا کہ پانی نہیں آسکتا تھا کمرہ فرش و فروش سے آراستہ رہتا تھا کھانا بھی تیار ملتا تھا ماثر الامرا میں اسکا حال اور اکبر کے سیر کرنیکی کیفیت حسب ذیل لکھی ہے۔

در کنج حوض سکہ بہ آب فرو بردہ دو سہ زینہ پائیں رفتہ بدان خانہ در آمد بسیار بہ تکلف آراستہ در غایت روشنی جائیکہ دہ دوازدہ کس ست فرش خواب و رخت پوشش مہیا و حاضری طعام موجود چند جلد کتاب در طاق ہا گذاشتہ ہوائی گذاشت کہ یک قطرہ آب اندرون در آید چو بادشاہ گشتہ در نگ فرمود غریب جاسی برآمد

۱۰۱۸ھ میں جہانگیر نے اسکی سیر کی چنانچہ تزک میں اسکا حال لکھتا ہے۔

حوض مذکور شش گز در شش گز ہست و در پہلوئے حوض خانہ ساختہ شدہ در غایت روشنی کہ راہ بہ آن خانہ ہم از درون آب ست و آب از آن راہ درون در نمی آید دہ دوازدہ کس در آن خانہ صحبت مے داشتند۔

کل کی چکی۔ یہ چکی امیر فتح اللہ شیرازی نے ایجاد کی تھی جو سنہ ۹۹۱ ہجری میں اکبر کے حسب الحکم فتح پور میں آیا اور امین الملک کے عہدہ پر ممتاز ہوا تھا یہ چکی پانی اور ہوا وغیرہ کے زور سے نہیں بلکہ خود بخود چلتی تھی ماثر الامرا میں لکھا ہے:

آسیا ئے ساختہ کہ خود حرکت می کرد و آرد می ساخت

آج تو یہ ایجاد ایک معمولی بات ہے لیکن اس زمانہ میں یورپ میں بھی عجیب سمجھی جاتی ہوگی۔

توپ کی مختلف قسمیں۔ اکبر کے صناعوں نے مختلف طرح کی توپیں ایجاد کیں انہیں سے ایک سترہ نال کی تھی اور ایک ہی دفعہ سب نالیں سر ہوتی تھیں ایک ایسی تھی کہ چھوٹیوں کے حلقوں کی طرح الگ الگ ہو جاتی تھی اور ضرورت

۱ [illegible] ماثر الامرا جلد اول صفحہ [illegible] تزک جہانگیری صفحہ [illegible] ماثر الامرا جلد اول صفحہ ۱۰۳

کے وقت حلقے ملا دیتے تو ایک توپ بن جاتی تھی چنانچہ ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے۔

گوناگون اختراع فرمود و جہانے بہ شگفت زار افتاد یکے بر دسے کار آورد ۔ پور شہا از ہم جدا کردہ بہ آسانی بر بندند ہر ہفدہ را چناں یکتائی داد کہ بیک فتیلہ ہمہ کشاد دہد و نیز چناں بر ساخت کہ یک فیل بہ آسانی کشد و آں لخت لخت نامندر،

گولے آتشین — اکبر کبھی کبھی راتوں کو گیند کھیلتا تھا اسلئے اس قسم کے گیند ایجاد کئے کہ رات کو شعلہ کی طرح روشن نظر آئیں،

اس قسم کی بہت سی ایجادیں ہوئیں جنکی تفصیل ایک مضمون میں سما نہیں سکتی،

نفاست پسندی ضروریات کی وسعت آسائش کے سامان — تمدن کا سب سے مقدم اثر یہ ہوتا ہے کہ ضروریات معاشرت بڑھتے جاتے ہیں مثلاً سادہ زندگی یہ ہے کہ زمین پر بیٹھے اور کیلے کے پتہ پر کھانا رکھکر کھا لیا، تمدن آتا ہے آتا ہے تو یہ سامان ساتھ لاتا لاتا ہے کہ چاندنی کا فرش ہے اسپر زیر انداز ہے زیر انداز پر طشت یا سیلابچی آدمی نے آفتابہ ہاتھ میں لیکر ہاتھ دھلوائے پھر دسترخوان بچھایا گیا رنگا برنگ کے مختلف برتنوں میں کھانے آئے کھانوں کی مناسبت سے ہر ہر برتن کا رنگ اور صورت شکل مختلف ہے کھانا کھا چکے تو طشت سیلابچی آفتابہ وغیرہ آیا ایک دفعہ ہاتھ دھونے کے لئے بیسن بھی ہے ہاتھ دھو کر رومال سے صاف کیا یہ تو قدیم تہذیب تھی نئے فیشن نے اسپر اور بھی نئے نئے حاشیے چڑھائے،

ہندوستان میں مسلمان آئے تو یا وہ حالت تھی جسکی تصویر بابر نے کھینچی ہے کہ لنگوٹی لگائے پھرتے تھے یا مسلمانوں نے ایک ایک چیز میں تہذیب تمدن کی ہزاروں شاخیں پیدا کردیں، مثلاً پہلے گھوڑوں پر ننگی پیٹھ سوار ہوتے تھے یا کمل وغیرہ ڈال لیتے تھے تیموریوں کے عہد میں گھوڑے کیلئے جو سامان پیدا ہوئے اسکی یہ تفصیل ہے،۔

زین - ارتک - یال پوش - پیشمین - روپاک - جل - تختہ بند - پشت تنگ - نگس راں - نکتہ - قیزہ - دستمال خرخرہ - رکاب آئین اکبری میں ان سب کی تصویریں بھی دی ہیں،

گھوڑوں کی تربیت خدمت اور نگہداشت کے لئے جن نوکروں کی ضرورت ہوتی تھی انکی تفصیل یہ ہے۔

داروغہ[1] مشرف[2] دیدہ ور[3] چابک سوار[4] دھاوا[5] امردھ[6] بیطار[7] نقیب[8] سائیس[9] جلودار[10] نعلبند[11] زین دار[12] آب کش[13] فراش[14] سپند سوز[15] خاکروب[16]

آئین اکبری میں ان سب کے کام اور انکے مشاہرہ کی تفصیل لکھی ہیں لنگوٹے اور دھوتی کے بجائے کپڑوں کے یہ اقسام پیدا ہوئے،

دوتاہی پیشواز نیمہ آجیدہ سوزنی قلمی قبا فرجی فرغل اچکن شلوار جامہ کلاہ صدری قمیص عبا نیم تنہ شلوکہ کمربند ۔ انمیں آج بہت سے متروک ہیں

زنانہ لباس اور زیور اور آرائش کے متعلق نورجہاں بیگم نے جو جو اختراعات کئے تہذیب و تمدن قیامت تک اسکے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے ہندوستان کیا ذکر ہے مسلمانوں میں بھی نورجہاں سے پہلے زیورات بھدے اور ناموزوں ہوتے تھے جیسے آجکل ہندوؤں کے ہوتے ہیں لباس اور وضع قطع میں بھی نازک ادائیاں نہ تھیں آج دلی اور لکھنؤ کی بیگمات کے لباس اور وضع کی تمام تراش خراش سب نورجہاں کے عہد کی یادگاریں ہیں جنمیں خفیف تغیرات ہوئے ہیں خود جہانگیر کہا کرتا تھا کہ جب تک نورجہاں میرے گھر میں نہیں آئی میں گھر کی زیب و زینت سے واقف نہ ہوا مآثر الامراء میں ہے

اکثر زیور و لباس و اسباب تزئین و تقطیع کہ معمول ہندست اختراعی و ابداعی اوست مثل دو دامنی جہت پشواز و پنج تولیہ جہت اوڑھنی بادلہ و کناری و عطر گلاب و فرش چاندنی ہمہ وضع اوست[1] خافی خاں لکھتا ہے۔

اقسام زیور و لباس زنان ہند کہ در محل بادشاہی و امرائے مغلیہ تا حال رواج دارد ہمہ وضع کردہ اوست و زیور و پیرایہ سابق کہ بسیار کلفت و بدنما بود منسوخ ساخت چاندنی کہ نفس الامر عجب فرش عیب پوش خانہ نامراد و گرد پوش فرش دولتمنداں ست و در شبہای مہتاب نمود خاص دارد وضع کردہ ہماں ست و اقسام جنس بادلہ کہ قسم سنگین آنرا بنام بادشاہ و کارخانہ موسوم ساخت و جنس سبک کہ ازاں تمام خلعت عروس داماد مردم نامراد بہ پانزدہ و بست روپیہ تمام شود و دیگر تصرفہائے بجای او کہ باری او بہ بلری شاہ و گدا بہ کار آید زیادہ ازاں ست کہ بہ تفصیل آن توان

آسایش اور آرام اور راحت کے جو ہزاروں سامان پیدا ہوئے انکا شمار نہیں کیا جا سکتا ہندوستان میں قدرتی تمام اشیاء پیدا ہوتی تہیں لیکن لوگونکو انسے کام لینا نہیں آتا تھا مسلمانونکی خوش مذاقی اور جدت طلبی سے ہزاروں چیزیں کام میں آئیں اور ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی شورہ خاص یہاں کی پیداوار ہے لیکن کسی کو ہزاروں برس تک خیال نہ آیا کہ اس سے پانی ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے حالانکہ ٹھنڈے پانی کی ضرورت جسقدر ایسے گرم ملک میں ہو سکتی تھی محتاج بیان نہیں برف بھی پہاڑوں سے آ سکتی تھی لیکن یہاں کے لوگونکو اپنی وحشیانہ زندگی میں آب سرد کی ضرورت کیا تھی لیکن مسلمان عجم سے آئے تو وہ ایسی زندگی کیونکر بسر کر سکتے تھے اکبر نے شورہ سے پانی سرد کرنیکو رواج دیا پہاڑوں سے برف آ کر بازار میں بکنے لگی خس کی ٹٹی بھی اکبر ہی کی ایجاد ہے ابوالفضل آئین اکبری میں

بہ شورہ سرد کردن رواج گرفت و از شمالی کوہ برف نیز آوردن کہ و مہ دانستہ سخت بود و بس خنک آن راخس گویند بہ فرمائش گیتی خدیو ازان نیز بست خانہا ساختن رواج یافت (صفحہ ۲ جلد ۳)

عمارت — فن عمارت میں جو نفاستیں اور ایجادیں پیدا ہوئیں انکا بیان تاج گنج اور جامع مسجد دہلی کی زبان سے ہر شخص سن سکتا ہے ہندوؤں کے مکانات کی جو اصلی وضع تھی اسکی زندہ مثال بنارس میں آج ہزاروں موجود ہیں یہ مکانات کروڑپتیوں کے ہیں جنپر لاکھوں روپیے خرچ ہوئے ہیں لیکن دروازے اتنے اونچے ہیں کہ سرکش سے سرکش آدمی کو انکے آگے سر جھکانا پڑتا ہے ہوا کو کبھی کبھی انمیں آنیکی اجازت ملجاتی ہے لیکن روشنی کو مشکل سے بار ملسکتا ہے بلند دروازے وسیع دالان شاندار شہ نشین مسلمانونکی بدولت ملک میں رواج پائے

ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم

ایک طرف تو ہمارے مولوی مسلمانوں کے کافر بنانے میں مصروف ہیں اور اس کام میں وہ کوشش کرتے ہیں جو صحابہ کافروں کے مسلمان بنانے میں کرتے تھے دوسری طرف یورپ کی علمی فیاضیوں کا بادل عالم پر آب حیات برسا رہا ہے دنیا کی تمام قوموں کے مردہ علوم فنون تاریخ اور یادگاریں زمین کے طبقے الٹ الٹ کر نکالے جا رہے ہیں اور دنیا کی نمائش گاہ علم میں اس طرح سجادی گئی ہیں کہ گویا پچھلا زمانہ اسی سروسامان سے دوبارہ سامنے آگیا ہے۔

اس علمی کوشش میں نہ صرف مردوں کا گروہ مصروف ہے بلکہ طبقہ اناث بھی جو ہمارے ملک میں صرف ایوان

[1] منتخب اللباب ... جلد اول صفحہ ۱۰۰

عیش کی سجاوٹ کی تصویریں ہیں اتنی ہمت جوش اور استقلال سے مشغول ہی جو ازل سے آجتک مردوں کا خاصہ سمجھا جاتا تھا۔

مدت ہوئی جب میں علی گڈہ کالج میں پروفیسر تھا ایک صاحب پرنسپل نے مجھ سے کہا کہ گلبدن بیگم کا ہمایوں نامہ کہاں ملیگا لندن سے ایک خاتون نے اسکا پتہ پوچھا ہی مجھکو اپنی تاریخ دانی پر ناز تھا میرے غرور توڑنے کیلئے یہ کچھ کم بات تھی کہ میں ہمایوں نامہ ایک طرف رہے گلبدن بیگم کو نہیں جانتا تھا میں نے ہندوستان کے کتب خانوں کو خطوط لکھے کہیں سے جواب آیا لیکن اب یہی نایاب چیز عام ہوکر بازاروں میں آگئی گلبدن بیگم بابر کی بیٹی ہمایوں کی بہن اور شہنشاہ اکبر کی پھوپھی تھی اسنے بابر اور ہمایوں کے حالات میں ایک کتاب لکھی اور ہمایوں نامہ نام رکھا۔

ہمایوں نامہ چونکہ ایک خاتون کی تصنیف تھی یورپ کی خوش مذاقی نے اس کتاب کی اشاعت کیلئے ایک خاتون ہی کو انتخاب کیا یعنی لیڈی اینٹ ایس بیوریج کو اس کتاب کے بہم پہونچانے کا خیال ہوا لیڈی موصوف نے اس کتاب کی تلاش میں بے انتہا جاں فشانیاں کیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات بیان کرنیکے قابل ہی کہ لیڈی صاحبہ نے شوق جستجو میں اردو تصنیفات پر بھی نظر ڈالی اور چونکہ وہ نا امید ہو چکی تھیں اسلئے جب انکو مولوی محمد حسین آزاد کی دربار اکبری میں گلبدن بیگم کا نام ملا تو انکی امیدیں دوبارہ تازہ ہوگئیں انھوں نے بمبئی میں اپنے ایک دوست کو خط لکھا کہ مولوی صاحب موصوف سے ملکر ہمایوں نامہ کا پتہ لگائیں لیکن مولوی محمد حسین آزاد سے ملکر انکو معلوم ہوا کہ آزاد نے جو کچھ لکھا تھا وہ خود لیڈی صاحبہ کی خوشہ چینی تھی یعنی اس آرٹکل سے ماخوذ تھا جو لیڈی صاحبہ اس سے پہلے ایک انگریزی پرچہ میں گلبدن بیگم کے متعلق لکھ چکی تھیں مصرعہ آں کس کہ گفت قصہ ما ہم زما شنید،

بہرحال لیڈی صاحبہ کی تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا یہانتک کہ انھوں نے اس نایاب کتاب کے متعدد نسخے بہم پہونچائے اور نہ صرف کتاب کو چھاپا بلکہ حسب ذیل باتیں اضافہ کیں۔

(۱) گلبدن بیگم کی نہایت مفصل سوانح عمری لکھی (۲) کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا (۳) ترکی الفاظ نہایت کثرت سے تھے انکی تحقیق کی اور انکو حل کیا (۴) کتاب میں سیکڑوں شاہی خاندان کی بیگمات کے نام آگئے تھے ان سب کے حالات لکھے (۵) جسقدر نام کتاب میں آئے ہیں انکی مفصل فہرست شامل کی کہ جس شخص کے متعلق کچھ دیکھنا چاہیں فوراً اسکا پتہ لگ (جائے)

یہ کتاب ۱۹۰۲ء میں چھپکر بمقام لندن شائع ہوئی اور نو شلنگ قیمت پر بمبئی میں تھیکر کی دوکان سے ملسکتی ہے۔

اب ہم اصل کتاب پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہیں۔

سب سے پہلے ہمکو اس بات پر حیرت ہوتی ہی کہ گلبدن بیگم کا زمانہ وہ زمانہ ہی جب تیموری سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی تھی ایسے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی یہ حالت تھی کہ بیگمات ایسی تصنیفیں کرتی تھیں جو آج مردوں سے بن نہیں آسکتیں فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں اور اسمیں شبہہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہر دوابہ [illegible] اور

وقائع نعمت خاں انپر نثار کردی جائیں لیکن انصاف یہ ہی کہ ہمایوں نامہ کچھ اِنسے بھی آگے بڑھا ہوا ہی اسکے چھوٹے چھوٹے فقرے سادہ اور بے تکلف الفاظ روزمرہ عام بول چال طرز ادا کی بیساختگی دلکو بے اختیار کر دیتی ہی چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

بابر نے ایک چھوٹے بچے کو ایک اشرفی بھیجی تھی کہ سوراخ کر کے اُسکے گلے میں پہنا دینا لیکن پہلے اسکی آنکھیں بند کر دینا کہ دیکھنے نہ پائے بچے نے کو دیکھا نہیں لیکن اشرفی کو ہاتھ سے ٹٹولتا ہی اور خوش ہو ہو کر اچھلتا ہی ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اشرفی کو مٹھی میں دبائے ہوئے ہی کہ کوئی چھین نہ لے اس واقعہ کو یوں ادا کیا ہے۔

حکم بود کہ اشرفی را سوراخ کردہ و چشمش را بستہ در گردنش اندازند درون حرم فرستید بجہۃ کہ اشرفی سوراخ کردہ در گردنش انداختند از گرانی طرفہ بیطاقتی و اضطراب و خوش حالی میکرد و بہ دو دست اشرفی را گرفتہ طرفگیہا میکرد کہ کسے اشرفی مرا نگیرد۔ (ایک اور موقع)

حضرت بادشاہ فرمودند کہ آکہ جانم بیگم کا خطاب ہی آگہ حکم شود در حوض آب بماند آکہ جانم گفتند بسیار خوب خود آمدہ بر سر زینہ نشستند و مردم غافل کہ یکبارگی شراس زدہ (زور سے) آب آمد جانان را طرفہ اضطراب دست داد حضرت بادشاہ فرمودند خطرے ندارد (کچھ مضائقہ نہیں)

حمیدہ بانو بیگم (اکبر شاہ کی ماں) سے جب ہمایوں نے شادی کرنی چاہی تو وہ راضی نہیں ہوتی تھی ایک مہینہ سے زیادہ جھگڑا رہا بالآخر بڑی مشکلوں سے راضی ہوئی اس واقعہ کو یوں ادا کیا ہے۔

غرضکہ تا چہل روز از جہۃ حمیدہ بانو بیگم مبالغہ و مناقشہ بود بیگم راضی نشدند آخر حضرت والدہ ام دلدار بیگم نصیحت کردند کہ آخر خود بہ کسے خواہی رسید بہتر از بادشاہ کہ خواہد بود؟ بیگم گفتند کہ آرے بہ کسے خواہم رسید کہ دست من بگریبانش برسد نہ آنکہ بہ کسے کہ میدانم دست من بدامنش نرسد

اس آزادی اور بلند حوصلگی کو دیکھو ایک بادشاہ فی الواقع شادی کرنا چاہتا ہی حمیدہ بانو نہیں مانتی اور جب شاہ بیگم نے کہا کہ آخر کسی نہ کسی کے پلّے تو بندھے گی تو کہتی ہی کہ ہاں اس سے بندھونگی جسکے گریبان تک میرا ہاتھ پہونچے نہ اس سے کہ میرا ہاتھ اسکے دامن تک بھی نہ پہونچے۔

قدیم تصنیفات میں روزمرہ اور محاورے بہت کم ملتے ہیں جسکی وجہ یہ ہی کہ ارباب قلم نے تصنیفی زبان علیحدہ قرار دی تھی اسمیں عام بول چال اور روزمرہ کا لانا خلاف متانت سمجھتے تھے یہی وجہ ہی کہ آج سے تین سو برس پہلے کی عام زبان نہیں معلوم ہو سکتی جس قدر کتابیں موجود ہیں سب میں وہی مصنوعی اور ساختہ زبان مستعمل ہی لیکن ہمایوں نامہ میں کثرت سے ایسے محاورے ملتے ہیں مثال کے طور پر کچھ نمونے درج ہیں

ایستادہ دریافتم	کھڑے کھڑے بلا	جان درازی	طول عمر
پیشواز آمدند	استقبال کو آئے	آب را تنگ نمیکردند	پانی بند نہیں کرتے تھے
قلعگی شد	محاصرہ ہوا	خفتن شد	سونے کا وقت آیا
طرفگیہا میکرد	شوخیاں کرتا تھا	نماز دیگرے بود	عصر کی نماز کا وقت تھا
بیایید تا یکدیگر را دریابیم	آؤ گلے لگیں	سر بہ شمشیر گرفتند	تلواریں لیکر مجھ پر آ پڑے
ہندال مرا چہ مقدار شدہ است	ہندال میرا کتنا بڑا ہوا	سروپا	لباس
پاسنے میداد	(یعنی کتنا قد ہی)	سر حضرت شوم	آپ پر قربان ہوں

روستائی گنواری   گنوار پن   ساعتے معطل کردند   ذرا دیر توقف کیا   اسپش اندک بلند رفت   اسکا گھوڑا ذرا اونچا

تاریخی مذاق ہمکو سب سے پہلے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ شاہی خاندان کی نازپروردہ خاتون تاریخ نویسی کے فرض اور ذمہ داری سے کسقدر واقف ہے اسنے یہ کتاب اپنی مرضی سے نہیں لکھی اور شاید لکھنا پسند نہ کرتی لیکن اکبر اعظم کی فرمائش ٹالی نہیں جاسکتی تھی اسنے تعمیل حکم کی تاہم فرائض تاریخ نویسی کے لحاظ سے سب سے پہلے یہ ظاہر کردینا ضروری سمجھی۔

وقتیکہ حضرت فردوس مکانی (بابر بادشاہ) از دار الفنا بہ دار البقا خرامیدند این حقیر ہشت سالہ بود بیان واقع شاید کمتر بہ خاطر ماندہ بود بنا بر حکم بادشاہی (اکبر شاہ) انچہ شنیدہ و بہ خاطر بود نوشتہ میشود

یہ خاص عیب مورخین کا مذاق ہے کہ روایت کا سلسلہ اخیر تک پہونچادیتی ہیں۔ گلبدن کی عمر بابر کی وفات کیوقت صرف آٹھ برس کی تھی اسلئے اسنے صاف اسکا اظہار کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی بہ تصریح کہدیا کہ اس عمر کے واقعات کم یاد رہتے ہیں ساتھ ہی مجبوری بھی ظاہر کی کہ بادشاہ کا حکم تھا آگے چلکر ہمایوں کے واقعات میں بھی جو واقعہ خود اسکی آنکھوں کے سامنے نہیں گزرا اسکے متعلق لکھدیتی ہے کہ میں نے فلاں شخص سے سنا ہے۔

ایشیائی مورخین کی عادت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے صرف جنگ وجدال بغاوت اور خونریزیوں کے واقعات کو لیتے ہیں اور انکو خوب پھیلاتے ہیں اسلئے یورپ والے ہماری تاریخوں کو قصائی کی دوکان کہتے ہیں اور واقعی ان تاریخوں سے اس عہد کے تمدن شائستگی پالٹکس، معاشرت خانگی زندگی کا پتہ لگانا چاہیں تو بہت کم کامیابی ہوتی ہے گلبدن بیگم یا تو اس نکتہ سے واقف تھی یا اس لئے کہ عورت تھی اور لڑائی بھڑائی کی باتوں میں اسکو لطف نہ آتا ہوگا بہرحال وجہ کچھ ہو لیکن کتاب اس مذاق میں لکھی ہے کہ اس عہد کی معاشرت اور زندگی کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے تو من وعن تصویر کھینچدیتی ہے مثلاً میرزا ہندال کی شادی کے ذکر میں لکھتی ہے۔

مردم دیگر کہ دست چپ بادشاہ نشستہ بودند بر توشک زردوزی معصومہ سلطان بیگم و گلرنگ بیگم (اور بہت سی بیگمات کے نام گنائے ہیں) و طرح خانہ طلسم چنین تفصیل خانہ کلان مثمن کہ دران جاطوی (جلسہ) داوند خورد و دیگر برابر آن ہم مثمن بود تخت مرصع نہادہ در بالا و پایان تخت اوشقہائے زردوزی انداختہ و شدہائے مروارید آویختہ بہ مقدار یک نیم گز درازی۔ ہر لڑے دو گرہ آئینہ در پایان در مثمن خورد چھپر کٹ مرصع نہادہ و پاندان و صراحی و مشربہ (گلاس) مرصع دران خانہ اسباب سپہ گری بود مثل شمشیر مرصع تور مرصع کمر خنجر مرصع و جمدھر و کھپوہ مرصع و ترکش (شادی میں بھی ہتھیار ساتھ ہیں) و خانہ دوم کہ آنرا خانہ سعادت می گفتند و دران خانہ جائے نماز و کتاب و قلمدانہائے مرصع و جزدانہای خوش و مرقعہائے لطیف مع تصویرہائے و خطہائے خوش نہادہ بودند و زیر حوض تالارے (کمرہ) بود و در تالار دریچہ ہا ابرک گرفتہ بودند کہ جوانان دران تالار نشستہ و بازی گران بازی می کردند بازار زنانہ نیز کردہ بودند اکبر کے مینا بازار کی یہی بنیاد ہے) و کشتی ہا را آئین بستہ بودند و کشتی بالاخانہ بودند پایان باغے ساختہ بودند از قسم قلغہ تاج خروس و نافرمان و لالہ کاشتہ بودند۔

اس کتاب سے اس زمانہ کی تہذیب و معاشرت کے جو حالات معلوم ہوتے ہیں انھیں سے بعض قابل ذکر ہیں۔
عورتیں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنون سپہگری سے خوب واقف ہوتی تھیں اور سفر اور سیر و شکار میں عموماً گھوڑے پر سوار
ہوتی تھیں یہاں تک کہ بعض عورتیں مردانہ لباس پہنتی تھیں۔ مہر انگیز بیگم کے حال میں لکھا ہے۔
لباس مردانہ می پوشیدند بہ انواع ہنر آراستہ بہ چہ زیگیر تراشی و چوگان بازی تیر اندازی و اکثر سازہا را بجے رہی نواختند۔
ایک موقع پر لکھا ہے (ماہ چوچک نادانستہ اندک بلند رفت۔
ہمایوں جب ایران گیا ہے تو حمیدہ بانو بیگم (اکبر کی ماں) بھی ساتھ تھی اور محافہ میں سفر کرتی تھی لیکن ہمایوں کی بہن
ہمیشہ گھوڑے پر سوار بادشاہ کے عقب میں چلتی تھی۔
یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں موسیقی میں بھی کمال رکھتی تھیں اور خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے تو عورتیں
خود بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں لیکن یہ احتیاط رہتی تھی کہ اسوقت کوئی بیگانہ آدمی نہیں ہوتا تھا۔
۲ عورتوں کا نہایت احترام کیا جاتا تھا بابر کی بیوی جسکا نام ماہم بیگم تھا جب کابل سے ہندوستان میں آئی ہے
تو بابر دو کوس تک پا پیادہ استقبال کو گیا ہے اور جب بیگم کی سواری سامنے آئی اور اُسنے بابر کو پیادہ دیکھکر سواری سے
اُترنا چاہا تو بابر نے منع کیا اور سواری کے ساتھ ساتھ پیدل مکان تک آیا ان دلچسپ واقعات کو گلبدن بیگم ان الفاظ میں لکھتی ہے۔
حضرت بادشاہ (بابر) خیال داشتند کہ تا کول جلالی بپیشواز استقبال روند نماز شام بیکے آمدہ گفت کہ حضرت (ماہم بیگم) را دو گروہی
گذاشتہ آمدہ ام حضرت بادشاہ بابام (بابر) تا اسپ آوردن تحمل نکردند پیادہ روان شدند و در پیش خانہ بیچہ ماہم در خوردند اکام (یعنی
ماہم بیگم) می خواستند کہ پیادہ شوند بادشاہ بابام نماندند و خود در جلوی آکام[1] تا خانہ خود پیادہ آمدند۔
ملکی معاملات میں عورتوں سے مشورہ اور رائے لیجاتی تھی اور ہر قسم کے امور میں انکی شرکت ضروری سمجھتے تھے۔
۳ آج یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوگی کہ اسوقت عورتوں کو اپنی شادی اور نکاح کے معاملہ میں پوری آزادی حاصل تھی ہمایوں
نے جب حمیدہ بانو بیگم سے شادی کرنی چاہی تو اُسنے صاف انکار کیا اور مدت تک اپنی ارادہ اور ضد پر قائم رہی اور جب سفر بیگم
نے کہا کہ آخر کسی سے شادی کرنا ہی ہے بادشاہ سے کیوں احتراز ہے تو حمیدہ نے کہا کہ میں اُس سے شادی کرونگی جس سے برابری کا دعویٰ
ہو سکے بادشاہ کا اور میرا جوڑ کیا ہے لیکن ہمارے زمانہ کے پردہ شکن گروہ کو یہ سنکر مایوسی ہوگی کہ ان سب باتوں کیساتھ عورتیں
نامحرم سے پردہ کرتی تھیں اور بغیر نقاب اور برقع کے باہر نہیں نکلتی تھیں ہمایوں نے نکاح سے پہلے جب حمیدہ بانو بیگم کو بلایا ہے تو اُنھوں
نے کہا کہ آداب سلطنت کے لحاظ سے ایک دفعہ میں بادشاہ کو سلام کو جا چکی ہوں دوبارہ جانا نامحرم کے سامنے جانا ہے چنانچہ خود حمیدہ بانو کے یہ الفاظ ہیں۔
دیدن بادشاہاں یکمرتبہ جائز ہست در مرتبہ دیگر نامحرم ہست من نمی آیم۔
چنانچہ جب تک شادی نہیں ہوئی کبھی ہمایوں کے سامنے نہیں آئی۔
۵ ۔ ایشیائی سلطنتوں میں بادشاہ نہ صرف تخت پر بلکہ خانگی زندگی میں بھی بادشاہ ہوتا ہے بادشاہ کا خورد سال بیٹا بھی جب اسکے

[1] اکام ماں کو کہتے ہیں ہم متکلم کی ہے یعنی میری ماں اسی طرح بابا میں متکلم کی ہے ہم لگا کر بابام کردیا ہے یعنی میرے والد

سامنے جاتا ہے تو پیاسے باپ کی گود میں نہیں بلکہ ایک شاہنشاہ کے دربار میں جاتا ہے یہ بادشاہ پرستی اور شخص پرستی کی اخیر حد ہے اور قومی زندگی کی یہ آخری علامت ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ حالت نہ تھی بابر اور ہمایوں اسی طرح اپنے عزیز قریب اور بھائی بہنوں سے ملتے تھے جس طرح ایک عام آدمی اپنے پیارے عزیزوں سے ملتا ہے گلبدن بیگم اس قسم کے واقعات کو نہایت دلچسپی سے لکھتی ہے اور ان موقعوں پر اسکے قلم سے محبت کا آب حیات ٹپکتا ہے ہمایوں جب بیمار ہوا ہے اور اسکی بہنیں اسکی عیادت کو آئی ہیں اس موقع پر لکھتی ہے۔

این حقیر همراه همشیرها ملازمت آن حضرت فرشته خصال رفته کردیم هرگاه که آن حضرت بهوش خویش می آمدند از زبان درافشان خویش پرسش میفرمودند که خواهران! خوش آمدید بیائید تا یکدیگر را دریابیم که شما را در نیافته ایم۔

ایک اور موقع پر ہمایوں گلبدن بیگم سے کہتا ہے۔

این حقیر را دیدند فرمودند که اول ترا نشناختم از برای آنکه وقتیکه لشکر ظفر اثر به گور بنگاله کشیده بودم طاقی[۵] پوش بودی الحال بیک قصابه دیدم نشناختم گلبدن! من ترا بسیار یاد می کردم وگاهی پشیمان شده می گفتم که کاشکی همراه می آوردم

بابر اپنے چھوٹے بیٹے ہندال کا حال ایک شخص سے پوچھتا ہے۔

هندال کجا هست و کی خواهد آمد! چه بلا انتظار داد هندال مرا چه مقدار شده هست و به کدام مانند هست و چون میر بردی بیگ جامه میرزا پوشیده بود نمود که این جامه شاهزاده هست که بر بنده عنایت فرموده اند حضرت بابر پیشتر طلبیدند که ببینم قد و قامت هندال چه مقدار شده هست

ہندال سے گلبدن کو بھی نہایت محبت تھی جب وہ لڑائی میں مارا گیا تو گلبدن کو سخت صدمہ ہوا اس موقع پر لکھتی ہے

نمی دانم کدام ظالمی بے رحمی آن جوان کم آزار را به تیغ ظلم بیجان کرده کاشکی بدل و دیده من بابه سعادت یا پسر من یا حضرت خواجه حسام (گلبدن بیگم کے شوہر کا نام ہے) آن تیغ

دیکھو بھتیجے بیٹے اور شوہر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اگرچہ ہمنے گلبدن بیگم کی کتاب سے وہی حالات انتخاب کئے ہیں جنسے اُس زمانہ کی معاشرت اور خانگی زندگی کا پتہ لگتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئیے کہ بیگم ملکی اور سیاسی واقعات کو قلم انداز کرتی ہے اسنے ہمایوں کے ایک ایک واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے اور اسمیں بھی وہ اور مورخین سے ممتاز نظر آتی ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہئیے وہ خوب جانتی ہے کہ کونسا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے اور اسلئے اسکے اسباب و علل سے کہاں تک بحث کرنی چاہئیے۔ مثلاً ہمایوں نے اپنے بھائی مرزا کامران کی بار بار خونریزی اور بدعہدی سے تنگ آکر اسکو اندھا کرا دیا تھا لیکن ہمایوں اس قدر نرم دل اور رحم مجسم تھا کہ یہ حرکت اس سے بہت بعید معلوم ہوتی ہے بایں ہمہ ابوالفضل اور فیاضی خان نے اس واقعہ کے متعلق صرف اس قدر لکھا کہ ہمایوں کے حکم سے اسکی آنکھیں اندھی کر دی گئیں لیکن بیگم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتی ہے جس سے واقعہ کی اصلیت ذہن نشین ہو جاتی ہے چنانچہ اسکے الفاظ یہ ہیں۔

عاقبة الامر جمیع خانان و سلاطین و وضیع و شریف و صغیر و کبیر و سپاهی و غیبت وغیره که از دست میرزا کامران داغها داشتند در ان مجلس متفق شده بعرض حضرت بادشاه رسانیدند که دربار شاهی و تحکم و رسم برادری منظور نمی باشد اگر خاطر برادر میخواهید ترک بادشاهی بکنید و اگر بادشاهی میخواهید

[۵] طاقی یعنی ٹوپی شہزادیاں بچپن میں ٹوپیاں پہنا کرتی تھیں

ترک برادری بگفتند حضرت بادشاہ در جواب فرمودند کہ اگرچہ این سخنان شمایان خاطر نشان می کنید اما دل من نمی شود ہمہ فریاد برآوردند و گفتند کہ ہیچ
بہ عرض رسانیدہ شدہ است چون مصلحت است خیر الامر حضرت فرمودند کہ اگر مصلحت و رضامندی ہمہ شمایان درین است پس ہمہ شمایان جمع
شوید و محضر نویسید ہمہ از عین دلیسا امرایان جمع شدہ نوشتہ دادند ہمان محضر را رختہ گریلک سر افگندہ بہ حضرت بادشاہ ہم ضرور شد،

افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ کتاب میں سیکڑوں ہزاروں الفاظ ترکی کے ہیں اور زیادہ تر وہی ہیں جو سامان اسباب خانہ داری ظروف
وطعام سامان سفر وضع لباس وغیرہ کے متعلق ہیں ہم انکو سمجھ نہیں سکتے ورنہ سوشل لائف کی پوری تصویر اس سے تیار ہو سکتی تھی
اخیر میں ہمکو دوبارہ اس معزز انگریزی خاتون کی علمی شوق کی داد دینی چاہیے جسنے اس نایاب کتاب کے بہم پہونچانے اور
تصحیح و تحشیہ میں وہ قابلیت اور محنت صرف کی جو ہماری قوم کے مردوں سے بھی بن نہیں آتی۔

مآثر رحیمی اور عبدالرحیم خان خاناں

اسلاف کی تصنیفات کا ذخیرہ بچا کھچا جو کچھ رہگیا ہے اسکی بنا پر ہم ایک رائے قائم کرتے ہیں اسکو بار بار تحریر و تقریر میں
دہراتے ہیں سلسلہ بہ سلسلہ اسکی روایتیں چلتی ہیں رفتہ رفتہ وہ ایک مسلمہ واقعہ بن جاتا ہے لوگوں کے دل و دماغ میں سرایت
کر جاتا ہے اتفاقاً کہیں سے کوئی سڑی گلی کتاب یا کسی کتاب کے کچھ بوسیدہ اجزا ہاتھ آجاتے ہیں جس سے دفعتہً وہ تمام خیالات
بدل جاتے ہیں اور ایک نئی تھیوری قائم ہو جاتی ہے۔

پروفیسر سیدیو نے جو فرانس کا بہت بڑا مشہور عربی داں فاضل گذرا ہے اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ اہل یورپ نے
بہت چیزوں کے متعلق یہ رائے قائم کرلی تھی کہ وہ حال کی ایجادات سے ہیں لیکن عربی نایاب کتابوں کے بہم پہونچنے نے ثابت
کیا کہ انکا خیال غلط تھا آج سے پہلے اہل عرب نے ان چیزوں کے اختراع کی عزت حاصل کی تھی پروفیسر مذکور نے اس بنا پر فضلائے
یورپ سے خط کتابت اور ایک خاص سوسائٹی اس غرض سے قائم کی کہ عرب کے گم شدہ اسرار کا پتہ لگایا جائے چنانچہ یہ تمام خط کتابت
اسنے کتاب مذکور میں درج کی ہے پروفیسر موصوف کا خیال اسکے ساتھ گیا اور کہیں سے کچھ صدا نہیں اٹھی پچھلے دنوں یورپ
میں جو اورینٹیل کانفرس قائم ہوئی تھی اسمیں یہ رزولیوشن پاس ہوا کہ ایک خاص کمیٹی اسلام کی انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے
کیلئے قائم کیجائے جسمیں مسلمانوں کے تمام علوم و فنون صنائع ایجادات وغیرہ وغیرہ درج کیے جائیں ہمارے محترم استاد مسٹر ارنلڈ
بھی اس کمیٹی کے ممبر ہیں لیکن پھر ہمکو کوئی اطلاع نہیں ملی کہ کمیٹی نے ابتک کیا کیا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ کام یورپ کے فرائض میں داخل نہیں تاہم اسوقت تک یورپ نے ہماری یادگاروں کے زندہ کرنے میں اور جو جو
کام کئے وہ کیا کم ہیں انھیں کی بدولت فن حرب کی وہ کتاب شائع ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس فن کے علمی
اصول مرتب کئے تھے اور انکا فن جنگ موجودہ فن جنگ کا مکمل خاکہ تھا یورپ ہی کی بدولت زہراوی کی کتاب فن تشریح
کے متعلق چھپکر شائع ہوئی جسمیں کئی سو آلات تشریح کی تصویریں اور انکے استعمال کے طریقے درج کئے ہیں پیٹ میں سرنگ ہو

بچے کے نکالنے کے بیسیوں آلات کے نقشے دیکر انکے استعمال کے طریقے بتائے ہیں یورپ ہی کی بدولت تاریخ طبری طبقات ابن سعد اور تاریخ الحکما وغیرہ کا پتہ لگا جو گویا دنیا سے ناپید ہو گئی تھیں۔

اسلام آج دنیا کے تمام حصوں میں پھیلا ہوا ہی کروروں مسلمان موجود ہیں بڑی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہیں عربی علوم وفنون اسی زور شور کے ساتھ پڑھے اور پڑھائے جا رہی ہیں اس بنا پر دنیا کو ہم سے اس کام کی توقع تھی لیکن ابھی ہمکو اور ضروری کاموں سے فرصت کہاں ہی حمداللہ کے بعض ضروری مقامات ابتک ناحل شدہ ہیں شرح ملا کی ایک ضمیر کا مرجع ابتک متعین نہیں ہوا میرزاہد کی بعدیت زمانی اور مکانی کا ابتک فیصلہ نہیں ہو چکا اور خیر یہ سب کام تو اٹھا بھی رکھے جا سکتے ہیں لیکن شیعوں کی تکفیر تو بہرحال مقدم ہی اور گو وہابیوں کا استیصال اس قدر ضروری نہو لیکن آخر اسکی اہمیت سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہی درد دل نے ایک چھوٹی سی تمہید کو کسقدر لنبا اور خارج از بحث کر دیا لیکن کیا کیا جائے۔

عاشق ست وشب افسانۂ دیار دہر بار   تدرے گریہا ولیس برسرا فسانہ ردد

کہنا یہ تھا کہ اب بھی بہت سی علمی یادگاریں ایسی موجود ہیں جنسے مسلمانوں کی تصنیفات کے متعلق جو رائے قائم ہو چکی ہی دفعتہً بدلجاتی ہی ہمارا خیال تھا کہ فارسی مورخوں نے سلاطین اور روسا کے حالات قلمبند کئے ہیں وزرا امرا سپہ سالار اور فوجی افسر انکے حالات مستقل تصنیفوں میں اس طرح نہیں لکھے جس سے ظاہر ہو کہ انھوں نے کس طرح تعلیم وتربیت پائی کیا کیا کارنامے دکھائے رفاہ عام کے کیا کیا کام کئے کن کن چیزوں کو رواج دیا۔ کون کون سی باتیں ایجاد کیں ذاتی شوق کی کیا کیا چیزیں تھیں وغیرہ وغیرہ لیکن دسمبر ۱۹۱۰ء میں جب میں کلکتہ گیا تو ایشیاٹک سوسائٹی میں مآثر رحیمی کا ایک نسخہ نظر سے گذرا یہ کتاب عبدالرحیم خاں خانان کے حالات میں ہی جو اکبر شاہ کا سپہ سالار تھا مصنف کا نام عبدالباقی ہے جو ایران کا باشندہ اور ایک معزز خاندان کا ممبر تھا کتاب خود خان خانان کی زندگی میں لکھی گئی ہی اور سرمایہ معلومات زیادہ تر ذاتی مشاہدہ اور سرکاری کاغذات ہیں یہ نسخہ مصنف کا اصلی مسودہ ہی جو کسی کاتب سے لکھوایا ہی لیکن الحاقات اور اضافے مصنف نے اپنے ہات سے لکھے ہیں بعض جگہ سادے صفحے چھوڑ دئے ہیں اور لکھا ہی کہ مزید اطلاع کیلئے صفحے خالی چھوڑ دئے گئے تھے لیکن چونکہ حالات نہ مل سکے اسلئے جگہ سادی کی سادی رہ گئی سرورق پر امرائے شاہی کی مہریں ہیں جس سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ نسخہ اکثر امرا کے کتب خانہ میں رہ چکا ہی مولوی غلام آزاد نے خزانۂ عامرہ میں لکھا ہی کہ میں نے اس کتاب کا اصلی مسودہ دکن میں دیکھا تھا جسپر الحاقات خود مصنف کے ہاتھ کے تھے غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو دکن سے کلکتہ پہونچگیا۔

کتاب کی ضخامت دو ہزار صفحوں کی ہی نصف کے قریب خان خانان کے اسلاف اور سلاطین تیموری کے حالات ہیں باقی نصف خود خان خانان کے کارنامے ہیں جنمیں حسب ذیل عنوانات ہیں۔

(۱) خان خانان کی ولادت اور تعلیم وتربیت تعلیم کا حال تفصیل سے لکھا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ بڑے بڑے کاملین فن سے تعلیم پائی تھی (۲) دربار شاہی کے تعلقات اور فتوحات (۳) خان خانان کی علمی لیاقت عربی فارسی ترکی ہیں

انشاپردازی اور شاعری نثر اور نظم دونوں کے نمونے درج کیے ہیں (۵) فضائل اخلاق (۵) فن سپہگری اور تیغ بازی وغیرہ بازی کے کمالات (۶) خان خاناں کے رفاہ عام کے کام (۷) فن زراعت کی ترقی (۸) خان خاناں کے دربار کے صناعوں اور کاریگروں کا ذکر اور انکے حالات و ایجادات (۹) خان خانان کا کتب خانہ (۱۰) خان خانان کے دربار کی شعرا (۱۱) علما اطبا اور خوش نویس،

اتنی بڑی ضخیم کتاب کا مختصر سے مختصر خلاصہ بھی اگر کیا جائے تو اچھا خاصہ رسالہ بنجائیگا اسکے علاوہ اردو زبان کے مشہور جادو طراز مولوی محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں خان خانان کا تذکرہ دل کھولکر لکھا ہی اور بہت سی کتابوں کو کھنگالا ہی (گویہ کتاب انکو ہاتھ نہیں آئی) ان وجوہ سے ہم نہایت اختصار کے ساتھ کتاب مذکور کے کچھ کچھ مقتبسات اس غرض سے درج کرتے ہیں کہ ہمارے ملک کے ارباب دولت اسکی طبع و اشاعت کی طرف متوجہ ہوں ہماری نگاہیں خلیفہ سید محمد حسین صاحب وزیر پٹیالہ، نواب علی حسن خان صاحب بھوپال، نواب مزمل اللہ خاں صاحب بھیکن پور اور حبیب الملت مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی کی طرف بلند ہیں۔

خان خانان کی فتوحات اور معرکہ ہائے جنگ درصل مرقع اکبری کے نقش و نگار ہیں اسلیے انکو چھوڑکر اور قسم کے واقعات

شاعری اور انشاپردازی خان خانان مختلف زبانوں میں کمال رکھتا تھا مصنف نے اسکی عربی، فارسی ترکی کلام کا نمونہ دیا ہی ترکی اور فارسی تو اسکی مادری زبانیں تھیں لیکن عربی کی تحریر بھی کم درجہ کی نہیں البتہ چونکہ اس زمانے میں عموماً انشاپردازی لفاظی اور قافیہ بندی کا نام تھا اسلیے خان خانان کا بھی یہی انداز ہے افسوس اور سخت افسوس یہ ہی کہ مصنف نے چونکہ ایرانی تھا بھاشا زبان کے نمونے دیے ورنہ اسیات کا سراغ لگتا کہ اردو نے بھاشا پر کیا تصرف کرنا شروع کردیا تھا۔

خان خانان کو عربی زبان میں یہ مہارت تھی کہ کہیں سے کوئی عربی تحریر آتی تھی تو بغیر اسکے کہ اصل عبارت پڑھی اسطرح ترجمہ پڑھتا چلا جاتا تھا کہ گویا کوئی لکھی ہوئی تحریر ہاتھ میں ہی جسکو دیکھکر پڑھتا جاتا ہی ایک دفعہ شریف مکہ نے اکبر کو خط لکھا اور عبارت آرائی کیلیے بڑے بڑے مغلق اور دقیق الفاظ بھر دیے اکبر نے ابوالفضل فتح اللہ شیرازی اور خان خانان کو حکم دیا کہ فارسی میں ترجمہ کرکے لائیں ابوالفضل اور فتح اللہ شیرازی دونوں اس خیال سے کہ ترجمہ کرنیکے لیے لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوگی تحریر کو ساتھ لیگئے لیکن خان خانان نے وہیں روشنی کے سامنے لیجاکر خط پڑھنا شروع کیا اور ساتھ فارسی زبان میں آج بھی اسکی ایک تصنیف موجود ہی یعنی تزک بابری کا ترجمہ بابر نے اپنے حالات اور واقعات ترکی میں قلمبند کیے تھے اور تزک بابری نام رکھا تھا اکبر کی فرمائش سے خان خانان نے اسکا ترجمہ کیا نہایت سادہ شستہ اور صاف فارسی ہی

خان خانان نے فارسی کا پورا دیوان مرتب کیا تھا لیکن بصرف مصنف مآثر رحیمی کی شہادت ہی کہیں اسکا نسخہ نظر سے نہیں گذرا البتہ اشعار کثرت سے جابجا پائے جاتے ہیں مصنف نے بھی اکثر غزلیں اور رباعیاں درج کی ہیں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ خان خانان خود کوئی مصرع طرح کرتا تھا اور تمام دربار کے شعرا طبع آزمائیاں کرتے تھے لیکن جس معرکہ میں نظیری، عرفی، شکیبی

جیسے شعرا کا سامنا ہو کلام کا سر سبز ہونا آسان بات نہیں تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر معرکوں میں خان خاناں ہی کے ہاتھ میدان رہا
چند ہست بند ہست فرزند ہست خان خاناں کی دی ہوئی طرح ہی جس پر تمام شعرائے اکبری نے غزلیں لکھیں لیکن کیا ان شعروں کا جواب ہو سکتا ہے

جز این قدر که دلم سخت آرزومند ہست	حدیث شوق نه دانسته ام که تا چند ہست
که پای تا بسرم ہر چه ہست دربند ہست	نه دانم و نه دانه این قدر دانم که
که مشتری چه کس ست و بہای من چند ہست	مرا فروخت محبت و لے نه دانستم
که اندکے به ادا ہائے دوست مانند ہست	ازان خوشم به سخنہائے دلکش تو رحیم

ترکی کلام جو مصنف نے نقل کیا ہے چونکہ ہم اسکو سمجھ نہیں سکتے اور نہ ناظرین میں کوئی ترکی داں ہے اسلئے ہم نے قلم انداز کر دیا ہے
مصنف نے لکھا ہے کہ فارسی میں جسقدر کہا تھا اس سے کئی گنا ہندی میں کہا ہے لیکن انکا کھوج کون لگا سکے) ایک حیرت انگیز
بات یہ ہے کہ خان خاناں نے یورپ کی زبانوں میں بھی مہارت پیدا کی تھی اسکی ضرورت یہ پیش آئی کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے
مراسلت رہتی تھی اس بنا پر اسنے خان خاناں کو یورپین زبانوں کے سیکھنے کا حکم دیا مصنف لکھتا ہے۔

چون اکثر بنادر ہندوستاں در تصرف مسیحیہ ہست و مکاتبات و مراسلات درمیانہ سلاطین ایشان و خاقین ہندوستان بسیار واقع می شود بادشاہ
ظل اللہ اکبر شاہ این سپہ سالار را بہ فرا گرفتن زبان عیسوی و بہم رسانیدن سواد و خط این قوم فرمان داد بہ اندکے اشتغال و سعیئے کہ با خاصان آن قوم
کہ در پائے تخت بادشاہی بودند و تجار و متردین ایشان نمود بہ دستوری تتبع آن خط و زبان آن قوم کرد کہ بے شائبہ ریا بہتر از ان قوم می داند
خان خاناں کی ہفت زبانی کا دعویٰ جہانگیر نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ماثر الامراء میں لکھا ہے کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں بات چیت کر سکتا تھا

کتب خانہ | خان خاناں کی علمی فیاضیوں کی ایک بڑی مثال اسکا بے نظیر کتب خانہ تھا کتب خانہ ہر درجہ کا تھا اور جسقدر
علمی ذخیرے اسمیں مہیا کئے گئے تھے کہ بجائے خود ایک اکاڈیمی یا دار الحکمت کا کام دیتا تھا عرفی نظیری ظہوری شکیبی غرض اکثر
شعرائے اکبری نے اپنی دیوان خود اپنے ہاتھ سے لکھکر اس کتب خانہ میں داخل کئے تھے دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی کتب خانے
کے تربیت یافتہ ہیں اکثر شعرا خوش نویس صناع جنکو خان خاناں تربیت دینا چاہتا تھا کتب خانے کے کام پر مقرر ہوتے
تھے اور ترقی کرتے کرتے نادرۂ روزگار ہو جاتے تھے کتب خانہ کا ناظم ملا شاہ تھا اسکے مشہور ممبر ملا محمد امین جدول ساز ملا عبدالرحیم
عنبرین قلم ملا محمد مومن محمد حسین کاشی نمبرداری بقائی ہراوی غنی ہمدانی تھے کتب خانہ کی ترتیب و انتظام کیلئے اہل کمال
کا ایک بڑا عملہ مقرر تھا جو تمام نسخوں کی تکمیل کرتے تھے تصویریں اور شبیہیں کھینچتے تھے مرقع تیار کرتے تھے کتابوں کی لوح وغیرہ
پر طلاکاری کا کام انجام دیتے تھے ان میں سے بعض کے مختصر حالات ہم درج کرتے ہیں۔

شیخ عبدالسلام | لکھنو کے رہنے والے تھے انکے والد پیشاور میں سے مشہور شاعر تھے اور پیامی تخلص کرتے تھے وہ حج کو جانے لگے
تو عبدالسلام کو خان خاناں کی خدمت میں دیتے گئے خان خاناں نے کتب خانہ میں انکی تعلیم و تربیت شروع کی رفتہ رفتہ اس قدر
ترقی کی کہ کتب خانے کے داروغہ مقرر ہو گئے پیامی صاحب خلص کا تبہ تھا ہندی زبان کی شاعری میں بے نظیر تھے۔

شجاع شیراز وطن تھا خط نسخ و ثلث میں نہایت کمال رکھتے تھے سنہ ۹۹۹ھ میں بمقام ٹھٹھہ خان خانان کے دربار میں آئے اور ترقی کرتے کرتے کتب خانے کی افسری حاصل کی۔

ملا عبدالرحیم عنبرین قلم ہرات کے باشندے تھے نسخ اور نستعلیق میں کمال حاصل کیا اور ہرات سے خان خانان کے دربار میں آئے خان خانان نے انکی تربیت پر خاص توجہ کی رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی محمد حسین کاشمیری کے سوا اس زمانے میں خوشنویسوں میں کوئی شخص ان کا مقابل نہ تھا خان خانان کے کتب خانے میں اکثر کتابیں انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں بالآخر انکا شہرہ بہت بڑھا

ملا محمد امین خراسان کے رہنے والے تھے طلاکاری میں استاد تھے مشہد مقدس میں امام ضامن علیہ السلام کے نام سے جو کتب خانہ ہے مدت تک اس میں کام کرتے رہے جب ازبکوں نے خراسان پر قبضہ کر لیا تو یہ وہاں سے نکلے اور خان خانان کے دربار میں آئے چار ہزار روپیہ مشاہرہ مقرر ہوا کتب خانے کی اکثر کتابیں انکی طلاکاری سے مزین تھیں ابری کاغذ انہیں کی ایجاد ہے

ملا محمد حسین ملا محمد مومن کے بھائی تھے جلد سازی کے فن میں کمال رکھتے تھے تذہیب کا کام بھی اعلیٰ درجہ کا کرتے تھے ۳۵ برس کتب خانہ کے ملازم رہے مصنف ماثر رحیمی کے زمانے میں کتب خانہ کا تمام کاروبار انہیں کے ہاتھ میں تھا۔

میر باقی ماوراء النہری ترکستان کے رہنے والے تھے خاندان کے سید تھے کتب خانے میں تربیت پائی اور بالآخر اسی کی افسری کی خدمت

میاں ندیم میاں فہیم جنکی نسبت یہ مثل مشہور ہے کہ کمائیں میاں خان خانان اڑائیں میاں فہیم یہ انکے بھائی تھے نقاشی اور مصوری میں انکا جواب نہ تھا کتب خانے ہی میں تربیت پائی تھی۔

بہبود میرزا باقر ایک مشہور خوشنویس تھے جو میر علی خوشنویس کے بھائی تھے، بہبود انکا غلام تھا نقاشی اور خوشنویسی میں کمال پیدا کیا اور کتب خانہ میں ملازم ہوا۔

مولانا مشفق فن نقاشی میں یکتائے روزگار تھے اور کتب خانہ میں اسی کام پر مقرر تھے۔

مادھو ہندو بچہ تھا تصویر طراحی مصوری شبیہ سازی میں نادرہ روزگار تھا کتب خانہ کی اکثر کتابیں اسیکے ہاتھ کی بنائی

دربار کے علما اور اطبا علما اور اطبا کے حالات ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں،

شعرا مصنف نے شعرائے دربار کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کلام کا انتخاب بھی کثرت سے کیا ہے البتہ یہ خصوصیت ملحوظ رکھی ہے کہ صرف وہ قصائد یا قطعے نقل کئے ہیں جو شعرا نے خان خانان کی مدح میں لکھے ہیں اسپر بھی کتاب کا بڑا حصہ اسمیں صرف ہو گیا ہے شخصی سلطنت کا اثر دیکھو کہ تمام خان خانانی شعرا اکبر کے دربار سے منسوب ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے تمام شعرا جنکے نام سے ابوالفضل نے دربار اکبری کا مرقع سجایا ہے بجز دو ایک کے سب کے سب خان خاناں یا ابوالفتح گیلانی کے پروردہ اور تربیت دادہ ہیں مصنف نے نہایت صحیح لکھا کہ،

ہر کہ تازہ از ولایت آمدہ بندگی و مصاحبت الشان (ابوالفتح) اختیار می نمود چنانکہ خواجہ حسین ثنائی و میرزا قلی میلی و عرفی شیرازی و حیاتی گیلانی و سائر مستعدان و تحصیل نمودند

مصنف کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ خان خانان کے انتساب سے اپنے تمام مشہور شعرا مثلاً عرفی شکیبی، حیاتی ظہوری ملک قمی

نظیری نیشاپوری محتشم کاشی رسمی نوعی شیرازی کے حالات اس تفصیل سے لکھدیے گئے کہ جو تذکرے مخصوص تیموری شعرا کے حالات میں لکھے گئے ہیں انمیں بھی یہ تفصیل نہیں ملسکتی۔

یہ موقع شعرا کے حالات لکھنے کا نہیں ہے لیکن خان خاناں شعرا کو جسطرح تربیت کرتا تھا اور جسطرح انپر فیاضیونکا مینھ برساتا تھا اسکے متعلق بعض واقعات لکھنے ضرور ہیں، خان خاناں کی فیاضیوں کا یہ حال تھا کہ ایکدفعہ نوعی شیرازی کو سونے میں تلوادیا نظیری نیشاپوری جب حج کر کے آیا ہے تو ایکدفعہ کسی موقع پر اسکی زبان سے نکل گیا کہ میں نے لاکھ روپے کا ڈھیر نہیں دیکھا خان خاناں نے لاکھ روپیہ منگوا کر ڈھیر لگوادیا نظیری نے شکریہ ادا کیا کہ آپکی بدولت میں نے آنکھ سے لاکھ روپیہ کا انبار دیکھ لیا خان خاناں سے زیادہ حسن طلب کا اداشناس کون ہوسکتا تھا حکم دیا کہ روپے نظیری کے گھر پہونچا دیجائیں

فیضی اگرچہ شاہی تقرب کے لحاظ سے خان خاناں کا ہمسر تھا چنانچہ خود کہتا ہے مصرع ہم بامرا نظیر گشتم ۔ اور اسی وجہ سے اسنے عرفی وغیرہ کی طرح امرائے شاہی میں کسی کی مدح نہیں کی تاہم اسکو کہنا پڑا کہ ؎

خان خانان عہد کانعامش ۔ طبع را رخصت شگفتن داد ۔۔

داشت چوں اعتماد بر شعرا ۔ صلہ پیش از مدیح گفتن داد ۔۔

فیضی پھر بھی شاعر تھا اسلئے خان خاناں جو بے وجہ بھی شعرا کو صلے اور انعام دیتا رہتا تھا فیضی نے اسکی وجہ یہ قرار دی کہ خان خاناں کو شعرا پر اعتماد تھا یعنی روپے لیکر مفت نہ کھاجائینگے بلکہ مدح وثنا سے اسکا معاوضہ ادا کرینگے لیکن فیضی کو یہ معلوم نہ تھا کہ خان خاناں شعرا کے ساتھ جو فیاضی کرتا تھا اس سے ادب اور انشا کی ترقی مقصود تھی

ان فیاضیوں کے چرچے عرب و عجم تک پھیلے ہوئے تھے مصنف نے لکھا ہے کہ شکیبی اصفہانی جب حج کرنیکی غرض عدن پہونچا تو بچے گیت گارہے تھے کہ خان خاناں آیا جسکی بدولت کنواریوں نے شوہر پائے تاجروں نے اسباب بیچے بادل برسے جل تھل بھر گئے، شکیبی بے ساختہ رو پڑا اور اسی وقت یہ رباعی موزوں کی،

زین دانہ کہ از نام نکو کاشتۂ ۔ از اختر سعد خرمن افراشتۂ

زان گونہ جہاں بہ جود انباشتۂ ۔ کز مور کفاف دانہ برداشتۂ ۔

ان فیاضیوں کے قصے گو بچسپ ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ انسے مزہ اٹھانا گداطبعی کی دلیل ہے خدا بخشے عرفی کو سچ کہا ہے،

بیا بہ ملک قناعت کہ دردسر نہ کشی ۔ ز قصہ ہا کہ بہ ہمت فروش طے بستند

بلکہ یہ نکتہ لکھنے کے قابل ہے کہ خان خاناں اسکے ساتھ شعرا کی تربیت کرتا تھا انکی کلام کی تنقید کرتا تھا کبھی کبھی اصلاح دیتا تھا جسکا یہ نتیجہ تھا کہ شعرا کا کلام روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا خود شعرا کو بھی اس بات کا اعتراف تھا رسمی اپنے مشہور قصیدہ میں

زمین مدح تو آن نغمہ سنج شیرازی ۔ رسید صیت کلامش بروم از خاور

بہ طرز تازہ زمدح تو آشنا گردید ۔ چو روئے خوب کہ یا بد ز باشطہ زیور ۔

اکثر شعرا کے دیوان خان خانان ہی کی توجہ سے مرتب اور شائع ہوئے عرفی جب مرنے لگا تو دیوان کا مسودہ خان خانان کے ہاں بھیجدیا لیکن مسودہ نہایت ابتر تھا اور کاٹ چھانس کیوجہ سے بیکار ہوگیا تھا خان خاناں نے محمد قاسم مشہور بہ سراج خلف خواجہ محمد علی صفہانی کو اسکی ترتیب پر مامور کیا سال بھر کی شبا بہ روز محنت کے بعد مسودہ صاف ہوا خان خانان کو نہایت مسرت ہوئی محمد قاسم کو بہت انعام واکرام دیا چنانچہ محمد قاسم نے ایک نظم میں یہ واقعات لکھے چند شعر یہ ہیں

عرفی آن واضع سخن که براد + رشک سا وار درواں شہر وانی

بعد چندے چو جائے بودن نیست + رفت ازین دیر ششدر فانی +

ماند ازو ورشا ہوارے چند + کش قرین نیست بحرے دکانی

لیک آن جملگی پراگندہ + ہمہ از بے سری وسامانی +

آن قدر مہلتش نہ داد اجل + که بہ ترتیب شان بود بانی +

گفت با دوستان بگاہ وداع + کاے عزیزان حسبی وجانی

برسانید زادہائے مرا + بہ جناب معلم ثانی +

ہیچ دانی که چیست آن مرکز + که تو عمان و کانش خوانی

صاحب حلم و علم و سیف و قلم + خان خانان سکندر ثانی +

دیر چوں زادہائے عرفی را + ہمہ محسود لعل پیگانی +

بعد یک چند بندہ را فرمود + که دہم شان نظام دیوانی

مدتے چند خون دل خوردم + تا که جمع آمد از پریشانی +

از خرد خواستم چو تاریخش + گفت ترتیب دادہ تا وانی +

یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ عرفی نظیری شکیبی وغیرہ نے اکبر اور جہانگیر اور مراد کی مدح میں اکثر قصیدے لکھے ہیں لیکن ان قصیدوں کو خان خاناں کے مدحیہ قصیدوں سے ملاؤ تو زمین وآسمان کا فرق نظر آتا ہے خان خانان کے مدحیہ قصائد میں صاف نظر آتا ہی کہ شاعر جوش اور اخلاص سے لبریز اور بادہ کرم کے نشہ میں چور ہی یہ بھی اندازہ ہوتا ہی کہ اس سرستی میں اس سے بھی غافل نہیں کہ مخاطب کی نظر ایک ایک لفظ پر ہی اور اسلئے شاعری اور استادی کے اصول سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرسکتا خان خانان کے بیٹا پیدا ہوا ہی عرفی تہنیت کا قصیدہ لکھکر بھیجتا ہی تمہید میں جوش زور طبیعت اور شاعرانہ معشوق پن کا ناز دیکھو،

بود در کتم عدم بکر طبیعت را جائے + کہ خرد بر سرش استادہ ہمی گفت برآئے

عقل کی درخواست کے بعد دوشیزہ طبیعت جواب دیتی ہے۔

گوشہ گیر و جگرے خورد تلخی مے کس | تا بہ عہدے کہ شود صاحب تو ملک آسائے
خلق از مژدہ بر و مژدہ شنو جمع شوند | ہمہ گوہر طلب گوہری و گنج ستائے
چرخ آمادہ شود زہرہ مہیا گردد | او کشد بند نقاب من و من بند قبائے
من بہ صد ناز و کرشمہ ہمہ رنگ و ہمہ بوئے | بر در حجلۂ ارکان نہم از خلوت پائے

رفاہ عام اور صنعت و زراعت کے ترقی کے کام

ہندو تو آج یہ شکایت کر رہے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر ملک کو تباہ کر دیا لیکن ان کوتاہ نظروں کو معلوم نہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی افتادہ زمین کو چمن [illegible] تھا دنیا جانتی ہے کہ ہندو پہلے پتوں پر رکھکر کھانا کھاتے تھے ننگے پاؤں رہتے تھے زمین پر سوتے تھے بن سلے کپڑے پہنتے تھے تنگ مکانوں میں بسر کرتے تھے مسلمانوں نے آکر انکو کھانے پینے رہنے سہنے وضع لباس فرش فروش و زینت کا سلیقہ سکھلایا لیکن یہ موقع اس مضمون کے پھیلانے کا نہیں ہے۔ البتہ یہ بات یہاں جتانے کے قابل ہے کہ باوجود اسکے ہندوستان زراعتی ملک ہے جتنے عمدہ قسم کے پھل اور میوے ہیں سب مسلمانوں کے لائے ہوئے ہیں سیب ناسپاتی انگور خربزہ سنترے وغیرہ وغیرہ کا یہاں پہلے نام و نشان بھی نہ تھا ان چیزوں میں سے خربزہ کی پیداوار کا فخر خان خانان کو حاصل ہے مصنف مآثر رحیمی لکھتا ہے کہ ہندوستان میں خربزہ نہیں ہوتا تھا ایران اور خراسان سے آتا تھا سب سے پہلے خان خانان نے عراق اور خراسان سے تخم منگوائے اور بلکوارہ علاقہ گجرات میں آب و ہوا کی مناسبت کے لحاظ سے ایک قطعہ انتخاب کر کے اسکی کاشت کرائی دو تین سال میں ایسے اچھے خربزے پیدا ہونے لگے کہ ولایت کی برابری کرتے تھے،

عمارات خان خانان نے تمام مشہور مقامات دہلی لاہور آگرہ گجرات میں باغ مکانات سرائیں تعمیر کرائی تھیں مصنف نے

حمام ہندوؤں کے حمام دریا کے گھاٹ ہیں جو آجتک موجود ہیں مسلمانوں کے عہد میں امرا اور روسا اپنے گھروں میں حمام بنواتے تھے لیکن پبلک حمام مطلق نہ تھے سب سے پہلے خان خانان نے گجرات میں محمد علی معمار کے زیر اہتمام حمام بنوایا اور وقف عام کر دیا اسوقت سے حمام کا عام رواج ہو گیا۔

جہازات خان خانان نے تین جہاز تیار کرائے تھے جنکا نام رحیمی کریمی اور سالاری رکھا تھا یہ جہاز صرف اس غرض سے تھے کہ حج کے موسم میں غریب حاجیوں کو مفت حج کرنا نصیب ہو۔

ابری اور عکس کا کاغذ جلد بندی کے کام کیلئے ابری کا کاغذ خان خانان کے کاریگروں کی ایجاد ہے عکس کا کاغذ پہلے بھی تھا لیکن عکس ہفت رنگ اسکے عہد کی ایجاد ہے۔[1]

ذاتی ہنر اور اخلاق و عادات خان خانان نے تعلیم و فنون کے علاوہ سپہگری کی نہایت اعلی درجہ کی تعلیم پائی تھی اُسکے جنگی کارنامے گجرات اور سندھ کے فتوحات ہیں جنکے لئے تاریخی دفتر دیکھنے چاہئیں یہاں روزمرہ کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔

[1] افسوس ہے عکس کے کاغذ کا مفہوم ہم نہیں سمجھ سکے معلوم نہیں کیا چیز تھی

تیراندازی میں قدرانداز تھا گجرات میں جب مظفر پر فتح حاصل کی ہی تو ایک دفعہ میدان میں گیند کھیل رہا تھا ایک کوا ہوا میں اُڑتا جاتا تھا خان خاناں نے پے در پے اسکے چاروں طرف تیروں کا دائرہ بنا دیا چنانچہ بارہ تیر ماری بالآخر تیرھویں تیر میں مارکر گرا دیا سنجر کاشی مشہور شاعر موقع پر موجود تھا برجستہ یہ رباعی موزوں کر کے پڑھی،

در عرصہ دست بردست اے زرین چنگ — ببیار چنان بود کہ یک جعبہ خدنگ

از چابکی بازوے تو در روے ہوا — دنبالہ ہم گرفتہ چون خیل کلنگ

یعنی تو اس تیزی سے تیر پھینکتا ہے کہ ہوا میں تیروں کی اس طرح قطار قائم ہو جاتی ہی جسطرح کلنگ قطار باندھکر اُڑتے ہیں ایک دفعہ ایک شیر کی پیشانی پر تیر مارا کہ سوفار تک اُتر گیا اُسی شاعر نے ایک قطعہ میں اس واقعہ کو ادا کیا ہی جسکا ایک شعر یہ ہے

ناوکے ولدوز بر پیشانی آن شیر زد — کز سر سوفار آن نمود زخم این دہان

بارہا شیروں اور بھیڑیوں کو تلوار سے مارا ہی چنانچہ مصنف نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں،

ورزش | ورزش میں عجیب عجیب مشقیں پیدا کی تھیں ایک رومال چار آدمیوں کے ہاتھ میں دیدیتا تھا کہ چاروں کونے تھام کر تنے کھڑے رہیں خود دوڑتا ہوا آیا قریب پہونچکر اُچھلا اور رومال پر قدم رکھتا ہوا اس صفائی سے نکل گیا کہ رومال پر آسیب نہ آنے پایا مصنف نے لکھا ہی کہ یہ اُس زمانے کا واقعہ ہی جب خان خاناں کی عمر سترہ برس کی تھی ہمنے کرناٹک کے بازیگروں کو اکثر یہ تماشہ کرتے دیکھا ہی خان خاناں نے انھیں لوگوں سے تعلیم پائی ہوگی۔

اخلاق حلم وعفو | باوجود اس اقتدار اور عظمت کے حسن اخلاق کے مجسم تصویر تھا جس زمانے میں خان خاناں کا خطاب ملا ہی چند نصیحت آمیز فقرے ایک کاغذ پر لکھکر نوکروں کو دیے کہ جب مجھے کسی بات یا کسی پر غصہ آئے تو اسکو پیش دینا چنانچہ کتنا ہی غیظ وغضب میں ہوتا تھا اس کاغذ کے پیش ہونیکے ساتھ ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ پانوں میں زخم ہو گیا تھا مدت تک دربار نہ کر سکا زخم ابھی آئے تھے کہ کسی ضرورت کی وجہ سے باہر نکلا ہجوم عام تھا ایک نوکر کا پاؤں اُسکے پانوں پر پڑ گیا اور زخم پھٹ گیا مصاحبوں نے نوکر کو سزا دینی چاہی خان خاناں نے روکا کہ اسکا قصور ہے ایک اتفاقیہ بات تھی۔

مصنف نے اور بہت سے واقعات نقل کئی ہیں ہم اس لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں کہ خان خاناں کو نظر نہ لگ جائے اس کتاب (مآثر رحیمی) میں تمام خوبیوں کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہی کہ خان خاناں کی خوبیاں ہی خوبیاں گنائی ہیں نکتہ چینی کا نام نہیں حالانکہ آجکل کے مذاق کے موافق سوانح عمری اور لائف کی یہ ضروری شرط ہی لیکن اس طریقہ کو ہم آج کل کے پر فریب طریقے سے زیادہ پسند کرتے ہیں جسمیں راست نویسی اور تنقید کا بہت کچھ دعوی کر کے بھی سوانح عمری کے بجائے مناقب کی کتاب لکھی جاتی ہی اور کوئی عیب وہ بھی خفیف کر کے لکھا جاتا ہی تو اس غرض سے کہ محاسن کے یقین کرانے کے کام آئے یعنی جب عیب نہیں چھپایا ہی تو محاسن کیوں غلط لکھے ہونگے بہتر سے بہتر

سوانح عمری جو ہماری زبان میں لکھی گئی ہے اس طریقے کی عمدہ مثال ہے۔

اب ہم خان خانان سے رخصت ہوتے ہیں خدا نے چاہا تو شعر العجم میں پھر نیاز حاصل ہوگا۔

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ سُن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ

جہانگیر اور تزک جہانگیری

بمن چندان گنہ از بدگمانی میکند نسبت کہ من ہم در گمان افتادہ پندارم گنہگارم

یورپ کے بیہودہ واقعہ نگاروں نے سلاطین اسلام کی غفلت شعاری عیش پرستی سیہ کاری کے واقعات کو اس بلند آہنگی سے تمام عالم میں مشہور کیا کہ خود ہمیں کو یقین آچلا اور تقلید پرست تو بالکل یورپ کے ہم آہنگ بن گئے۔

ہندوستان کے سب سے بڑے انشا پرداز نے نیرنگ خیال میں جہانگیر کی یہ تصویر کھینچی ہے اسکے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تھا وہ خود مخمور نشہ میں چور تھا۔ ایک عورت صاحب جمال ذوی جمال اسکا ہاتھ پکڑے آتی تھی اور جدھر چاہتی تھی پھراتی تھی وہ جو کچھ دیکھتا تھا اُسکے نور جمال سے دیکھتا تھا اور جو کچھ کہتا تھا اُسی کی زبان سے کہتا تھا اس پر بھی ہاتھ میں ایک جزو کاغذوں کا تھا اور کان پر قلم دھرا تھا یہ سانگ دیکھکر سب مسکرائے مگر چونکہ دولت اُسکے ساتھ ساتھ تھی اور اقبال آگے آگے اہتمام کرتا آتا تھا اسلئے بدمست بھی نہ ہوتا تھا جب نشہ سے آنکھیں کھلتی تھیں تو کچھ لکھ لیتا تھا۔

لیکن آؤ دیکھیں اس جھوٹ میں کچھ سچ بھی ہے۔ ہمارے انشا پرداز نے جہانگیر کے کبھی کبھی ہوش میں آجانے کا جو کارنامہ بتایا ہے وہ اصلی کتاب تُوزک جہانگیری ہے اور سچ یہ ہے کہ جہانگیر کے طرز عمل اور ہر قسم کے خیالات کے دریافت کرنے کا اس سے زیادہ صحیح ذریعہ نہیں ہو سکتا اسلئے ہم اس رسالہ میں اسی کتاب پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت (جسکو سب سے پہلے بیان کرنا چاہیے) یہ ہے کہ وہ واقعات کا نہایت صحیح اور سچا مرقع ہے اسکا ہر ہر لفظ شہادت دیتا ہے کہ کتاب کا لکھنے والا کسی واقعہ میں کسی قسم کی رنگ آمیزی نہیں کرنا چاہتا وہ حکمت عملی اور پالٹیکس کے فلسفہ سے بالکل ناواقف ہے وہ بدنما واقعات پر ملمع سازی کا روغن نہیں چڑھا سکتا۔ وہ عیب بھی کرتا ہے تو ڈنکے کی چوٹ کرتا ہے اور ہنر کا کوئی کام اُسکے ہاتھ سے بن آتا ہے تو داد طلب خاموشی نہیں اختیار کرتا بلکہ علانیہ فخر کا اظہار کرتا ہے مورخین کو اپنے تجسس اور راز جوئی پر ناز ہے کہ انھوں نے ابوالفضل کے قتل کی سازش دریافت کرلی لیکن جہانگیر خود صاف صاف لکھتا ہے

راجہ نرسنگہ دیو از راجپوتان بندیلہ بہ منصب سہ ہزاری سرفرازی یافت و باعث ترقی و رعایت او آن شد کہ در اواخر عہد پدر بزرگوارم شیخ ابوالفضل را کہ از شیوخ زادہ ہائے ہندوستان بہ مزیت فضل و دانائی امتیاز تمام داشت طلب داشتند و چون خاطر او بمن صاف نبود

یقین بود کہ اگر دولت ملازمت دریابد باعث زیادتی آن غبار خواہد گشت و مانع دولت مواصلت گردیدہ کار بجائے خواہد رسانید کہ بصورت
از سعادت خدمت محروم باید گردید چون ولایت نرسنگہ دیو سر راہ او واقع بود بپیغام فرستادم کہ اگر سر آن مفسد فتنہ انگیز گرفتہ دانیست نابود سازد رعایتہا

اپنے بیٹے شاہجہان کو شراب پلواتا ہی تو بے تکلف لکھتا ہی

وتا سال حال کہ سنش بہ بیست وچہار سالگی رسیدہ وکدخدائیہا کردہ وصاحب فرزندان شدہ اصلا خود را بخوردن شراب آلودہ ناساختہ بود این روز کہ مجلس
وزن او بود گفتم کہ بابا صاحب فرزندان شدہ وبادشاہان وبادشاہزادگان شراب خوردہ اند امروز کہ روز جشن تست ترا شراب می خورانم ورخصت
می دہیم کہ در روزہائے جشن وایام نوروز ومجالس ہائے بزرگ میخوردہ باشی اما طریقہ اعتدال مرعی داری۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں جنسے بداہتہً ثابت ہوتا ہی کہ اسنے جہاں جو کچھ لکھا ہی سچائی کے جادہ سے بال برابر بھی نہیں ہٹا ہی
قدرت زبان ایک اور خصوصیت جو قوت تحریر سے متعلق ہی اور جسکو اصل مقصد سے پہلے بیان کرنا چاہئے یہ ہی کہ وہ
ہر قسم کے واقعات کو جس خوبی سادگی صفائی اور بے تکلفی سے بیان کر سکتا ہی اور ساتھ ہی زبان کا لطف قائم رکھتا ہے
فارسی انشا پردازوں میں کسی سے بن نہیں آسکتا اختصار کی غرض سے ہم ایک دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔
چونکہ اسکو علم الحیوانات کیساتھ خاص شغف تھا دور دراز ممالک میں گماشتے مقرر کئے تھے کہ ہر قسم کے عجیب وغریب جانور
جہاں جس قیمت پر ہاتھ آئیں شاہی عجائب خانے میں روانہ کئے جائیں چنانچہ سنہ ۱۰۲۱ھ میں مقرب خان بندر کھمبات سے
یہ عجیب وغریب جانور ساتھ لایا تھا جن میں وہ بھی تھا جسکو آج انگریزی مرغی کہتے ہیں اسکی تصویر جہانگیر ان الفاظ میں کھینچتا ہے
یکے از جانوران در جثہ از طاؤس مادہ کلان تر وازنر فی الجملہ خوردتر گاہی کہ در مستی جلوہ نماید پرہم خود را دو دیگر پرہا را طاؤس آسا پریشان سازد وبرقص در
آید سر وگردن وزیر حلقوم او دمبدم برنگہائے مختلف ظاہر می گردد وقتیکہ در مستی ست سرخ سرخ ست گویا کہ تمام را بمرجان مرصع ساختہ اند وبعد زمانے ہمین جا ہا
سفید می شود وبطرزی پنبہ بنظر در می آید بوقلمون آسا ہر زمان برنگے دیگر دیدہ می شود ودو پارچہ گوشتی کہ بر سر دارد بتاج خروس مشابہت
تمام پیدا کردہ است کہ در ہنگام مستی پارچہ گوشت مذکور بطریق خرطوم از بالائے سر او تا یکدو چیپہ آویزد وباز کہ آنرا بالا می کشد چون شاخ کرگدن
بر سر او بمقدار دو انگشت نمایان میگردد واطراف چشم او ہمیشہ فیروزہ گون ست۔ ایک اور پرندہ کی تصویر کھینچتا ہی۔
یکے از خصوصیات این جانور آن ست کہ تمام شب پاہائے خود را بر شاخ درخت بند کردہ خود را سرنگون سازد وباخود زمزمہ می کند وچون روز شد بالائے آن

اسیطرح وہ جشنوں کی چہل پہل لڑائیوں کی ہل چل شکاروں کی دوڑ دہوپ موسموں کی دلاویزی باغوں کی تر وتازگی آپس کی صحبتوں کی
رنگینی کو ایسے بے تکلف برجستہ اور دلاویز طریقے سے ادا کرتا ہی کہ بڑے بڑے نامور انشا پرداز نہیں کر سکتے ان خصوصیتوں کے
بیان کرنے کے بعد اب ہم ان حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکتا ہی کہ یورپ کے مورخین اسکی زندگی کا جو
نقشہ کھینچتے ہیں کہاں تک صحیح ہی۔ تُوزک جہانگیری اس کا روزنامچہ ہی اسمیں وہ تاریخ اور تمام واقعات جو اسکو
پیش آتے ہیں اور جن اشغال میں وہ مشغول رہتا ہی تفصیل کیساتھ بیان کرتا ہی اس کتاب سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کی
عمر کا بڑا حصہ ملک کے دورہ میں صرف ہوا ہی جسکے ذریعہ سے وہ ملک اور رعایا کے حالات سے اطلاع حاصل کرتا تھا اس خصوصیت

ہیں وہ اپنے تمام پیشروں اور جانشینوں سے بڑھا ہوا ہے کہ اسکے سفر کی مدت اور سفر کے حدود سب سے زیادہ وسیع ہیں۔
دورہ کے روزانہ حالات جو وہ قلمبند کرتا ہے اسمیں عیش و عشرت کا حصہ بہت کم نظر آتا ہے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ان واقعات کو قلم انداز کرنا چاہتا ہے شبستان عیش میں بسر کرنا شراب کے جلسے قائم کرنے جشن آرائی کی دھوم دھام نغمہ و سرود کی مجلسیں ان تمام واقعات کو وہ نہایت مزے لیکر بیان کرتا ہے لیکن جب اس قسم کے حالات کو اسکے ملکی اور عملی اشغال سے موازنہ کیا جاتا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان تفریحی اشغال کو اسنے اسی حد تک جائز رکھا تھا جسقدر آج یورپ نے باوجود کمال تہذیب کے جائز

مہمات ملکی کی طرف توجہ

ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی وہ بڑی مہمات پر فوجیں بھیج رہا ہے کبھی ایک غریب بڑھیا کی ایک طاقتور دربار کے مقابلہ میں دادرسی کر رہا ہے کبھی علاقہ کی پیمائش میں مصروف ہے کبھی صوبہ جات کے گورنروں کے نام احکام جاری کر رہا ہے کبھی ملکی پیداوار کی تحقیقات میں مصروف ہے کبھی سرحدی حکمرانوں سے تعلق پیدا کرنیکی کوشش کر رہا ہے کبھی علما کی مجلس میں شریک ہے کبھی غیر مذہب والوں سے علمی مباحثے کر رہا ہے اسی حالت میں کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو ارباب نشاط اور نغمہ و سرود سے بھی دل بہلا لیتا ہے اگر یہ جرم ہے تو سبکو اس جرم کا مرتکب ہونا چاہیے ع سالہا خورد و نہ ماہ پارسا می باش
اپنے تخت پر بیٹھنے کیساتھ پہلا حکم جو صادر کیا وہ زنجیر عدالت کا آویزان کرنا تھا شخصی حکومتوں میں رعایا کی دادرسی میں جو امر سب سے بڑا دقت طلب ہوتا ہے وہ بادشاہ کے دربار کی رسائی ہے نقیب چاؤش حاجب و دربان خدم و حشم کے ہجوم میں مظلوموں کا بادشاہ تک پہونچنا ایک طرف انکی آواز بھی نہیں پہونچ سکتی۔ جہانگیر نے سب سے پہلے اسی کی طرف توجہ کی اور حکم دیا کہ ایک زنجیر قلعہ کے برج سے دریا تک لٹکائی جائے تاکہ جو مظلوم شاہی دربار تک نہ پہونچ سکے اس زنجیر کو ہلا دے جب کوئی شخص اس زنجیر کو ہلاتا تھا تو قلعہ میں خبر ہو جاتی تھی اور جہانگیر اسیوقت باہر نکل آتا تھا اور اسکی دادرسی کرتا تھا جہانگیر کی نفاست پسندی نے یہاں بھی کام کیا یعنی زنجیر زر خالص سے تیار کیگئی۔ یہ زنجیر ۳۰ گز لمبی تھی اور ۴ من وزن تھا اس میں ساٹھ گھنگرو تھے جو زنجیر ہلانے سے بجتے تھے۔

اسکے علاوہ تخت نشینی ہی کے ساتھ اسنے دوازدہ گانہ احکام صادر کئے جنکی تفصیل یہ ہے۔
(۱) تمغا۔ اور میر بحری اور وہ ٹکس جو ہر صوبہ کے جاگیرداروں نے مقرر کئے تھے عموماً موقوف کر دیئے (۲) جن راستوں میں ڈاکے پڑتے تھے حکم دیا کہ منزل بمنزل سرائیں کوئیں اور مسجدیں تیار کرائی جائیں تاکہ لوگ آباد ہو جائیں اور چوری وغیرہ نہونے پائے اسکے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ سوداگروں کا مال اسباب انکی مرضی کے بغیر کوئی کھولنے نہ پائے۔ (۳) اب تک یہ قاعدہ تھا کہ جو شخص مر جاتا تھا اسکا مال ضبط ہو کر خزانہ شاہی میں داخل ہوتا تھا اگرچہ اکثر وارثوں کو واپس ملتا تھا لیکن یہ شاہی احسان سمجھا جاتا تھا۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ جائداد و مال وارثوں کا حق ہے کسی کو اسمیں تصرف کا حق نہیں البتہ جو شخص لاوارث مر جائے اسکا مال بیت المال میں داخل ہو لیکن وہ بھی صرف پبلک ورکس یعنی سڑک پل وغیرہ کی تیاری میں صرف کیا جائے (۴) تمام ممالک محروسہ میں شراب و دیگر مسکرات بکنے نہ پائیں۔ جہانگیر نے جہاں اور حکم

کا ذکر کیا ہی انصاف پسندی کے ساتھ اپنے جرم کا اعتراف کیا ہی چنانچہ لکھتا ہی (با آنکہ خود بخوردن شراب ارتکاب می نمایم "
(۵) کسی کے مکان میں سرکاری ملازمین اترنے نہ پائیں (۶) ناک کان کاٹنے کی جو سزائیں دیجاتی تھیں یکقلم موقوف کردیں
(۷) رعایا کی زمین زبردستی خالصہ میں شریک نہ کیجائے (۸) ملازمین شاہی اپنے علاقونمیں بغیر اجازت کے شادی نہ کرنے پائیں۔
(۹) تمام بڑے بڑے شہرونمیں شفاخانے قائم کئے جائیں اور طبیب وجراح مقرر ہوں اور یہ تمام صرف جیب خاص سے ادا کیا جائے
(۱۰) ۱۸ ربیع الاول (تاریخ ولادت جہانگیر) اور جمعرات اور ہفتہ کو جانور ذبح نہ کئے جائیں (۱۱) عام حکم دیا کہ والد ماجد اکبر شاہ) کے زمانے کے تمام مناصب اور عہدے برقرار رکھے جائیں۔ (۱۲) جسقدر قیدی قلعونمیں اور جیلخانونمیں مقید تھے سب آزاد کردئے

جغرافیانہ اور مورخانہ تحقیقات

ہندوستان کی سیکڑون تاریخیں لکھی گئیں جنمیں حکومت اور فتوحات کے حالات ہیں لیکن کوئی کتاب جغرافیہ کے طرز پر نہیں لکھی گئی جس سے ایک ایک شہر اور قصبہ کے حالات معلوم ہوتے۔ اس انداز کی سب سے پہلی کتاب آئین اکبری ہی جسمین نہایت اجمالی حالات ہیں آجکل گزیٹیر کا جو طریقہ ہی یہ اس عہد میں بالکل نہ تھا لیکن اسکا خاکہ درحقیقت جہانگیر نے قائم کر دیا تھا۔ توزک جہانگیری میں وہ جس صوبہ یا جس شہر کا حال لکھتا ہی اسکی ابتدائی تاریخ مساحت۔ پیداوار کے اقسام آب وہوا اثمار و اشجار رسوم وعادات ایک ایک چیز کو نہایت تفصیل سے لکھتا ہی مثلاً کشمیر کے متعلق

"کشمیر اقلیم چہارم میں شامل ہی اسکا عرض بلحاظ خط استوا سے ۳۵ درجہ اور طول جزائر سفید سے ۱۰۵ درجہ ہی مدت سے یہ ملک ہندو راجاؤنکے قبضہ میں تھا چنانچہ انکی کل مدت حکومت ۴۰۰۰ سال ہی جسکے تفصیلی حالات راج ترنگنی کی تاریخ میں جسکا ترجمہ عرش آشیانی (اکبر) کے حکم سے فارسی میں ہوچکا ہی بتفصیل مذکور ہیں سنہ ۷۱۲ ہجری میں مسلمانونکا قبضہ ہوا ۳۲ حکمرانوں نے ۲۸۲ برس تک حکومت کی سنہ ۹۹۴ ہجری میں عرش آشیانی (اکبر) نے فتح کیا"

کشمیر کا طول بہلو باس سے نشیبی حصہ تک ۶۷ کوس ہی اور عرض ۲۷ کوس ابوالفضل نے اکبر نامہ میں یونہی قیاساً لکھدیا ہی کہ کشمیر کا طول دریائے کشن گنگا سے ۱۲۰ کوس ہی میں نے بہ نظر احتیاط ماہران فن کو مقرر کیا کہ طول اور عرض کی پیمائش کریں ابوالفضل نے ۱۲۰ کوس جو لکھے وہ کل ۶۷ ٹھہرے قاعدہ یہ ہی کہ ہر ملک کی سرحد وہاں تک قرار دیجاتی ہی جہان تک اس ملک کی بولی بولی جاتی ہی اس بنا پر بہلو باس سے کشمیر کی سرحد مقرر کی گئی ہی جو دریائے کشن گنگا سے ۱۷ میل اس طرف ہی۔ شہر کا نام سری نگر ہی دریائے بہٹ شہر کے بیچ میں بہتا ہی اس دریا کا مخرج ایک چشمہ ہی جسکا نام ویری ناگ ہی جو سری نگر سے ۱۴ کوس ہی میں نے اس چشمہ پر ایک باغ اور عمارت تیار کرائی ہی شہر میں چار پل نہایت مستحکم اور مضبوط ہیں پل کو کشمیری زبان میں کدل کہتے ہیں یہان ایک نہایت عالیشان مسجد ہی جو سلطان سکندر نے سنہ ۷۹۵ ہجری میں تیار کرائی تھی محراب سے شرقی دیوار تک ۱۴۵ گز طول اور ۱۴۴ گز عرض ہی میر سید علی ہمدانی کی ایک خانقاہ یہاں یادگار ہی یہان آمد ورفت کشتی کے ذریعے سے ہی ۵۷۰۰ کشتیاں اور ۷۴۰۰ ملاح ہیں۔

کشمیر میں ۳۸ پرگنہ جات ہیں بالائی حصہ کو امراج اور نشیبی کو کامراج کہتے ہیں یہان مالگزاری میں نقدی دینے کا دستور نہیں بلکہ بٹائی کا طریقہ ہی ایک خروار تین من آٹھ سیر کا ہوتا ہی اس حساب سے کشمیر کی مالگذاری ۳۰ لاکھ ۶۳ ہزار ۵۰ خروار ہی جسکو نقدی میں بدل دیں تو سات کرور ۴۶ لاکھ ستر ہزار دام ہوتے ہیں (دام تقریباً سوا پیسہ کا ہوتا ہی کشمیر کا راستہ سخت دشوار گذار ہی نسبتاً سب سے آسان راستہ بھمبر اور پکھلی کا ہی لیکن کشمیر کی بہار دیکھنی ہو تو پکھلی کے راستہ سے جانا چاہیے کشمیر ایک ہمیشہ بہار چمن زار ہی۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہی سبزہ آب رواں گل

بنفشہ۔ نرگس اور سیکڑوں قسم کے پھول ہی پھول نظر آتے ہیں بہار میں نہ صرف صحرا اور چمن بلکہ در و دیوار صحن و بام لالہ سے پٹ جاتی ہیں
کشمیر کے تمام مکانات چوبین ہوتے ہیں جو دو منزلے سہ منزلے ہوتے ہیں بالاخانہ کو خاکپوش کرکے اس میں لالہ بوتے ہیں جو بہار میں پھولتا ہے
اور عجب عالم پیدا کرتا ہے یہ خاص کشمیر کی ایجاد ہے کشمیر کے مضافات میں پھولوں کی اقسام کا شمار نہیں ہوسکتا اُستاد منصور نقاش
نے میرے حکم سے جتنے پھولوں کی تصویریں لیں انکی تعداد سو سے متجاوز تھی عرش آشیانی سے پہلے یہاں شاہ آلو مطلق پیدا نہیں ہوتا تھا
محمد قلی افشار نے کابل سے لاکر پیوند لگایا اب تک دس پندرہ درخت تیار ہوچکے ہیں۔

اسکے بعد تمام میوہ جات اور پیداوار اور حیوانات اور لوگوں کی معاشرت اور رہنے سہنے کا حال لکھا ہے اس مختصر رسالہ
میں انکی گنجائش نہیں،

انصاف کرو ایک محقق جغرافیہ دان اور مورخ کسی ملک کا حال اس سے زیادہ کیا لکھ سکتا ہے باوجود اسکے یوروپین مورخوں
کی ناانصافی اور ستم ظریفی دیکھو کہ جہانگیر کو سست العقل کا خطاب دیتے ہیں اور افسوس یہ ہے کہ ہمارا اُردو کا انشا پرداز بھی
(مولوی محمد حسین آزاد) قاضی نور اللہ شوستری کے خون کا انتقام اسی پیرایہ میں لیتا ہے۔

جہانگیر کے دورہ کی حد ایک طرف آگرہ سے لیکر پنجاب اور کشمیر تک اور دوسری طرف مالوہ اور گجرات تک ہے ان
ممالک کے اضلاع اور شہروں بلکہ قصبات تک کے تمام حالات اس نے جس تحقیق سے لکھے ہیں اس پر اضافہ نہیں ہو سکتا

علم الحیوانات جہانگیر کے زمانے میں کسی کو اس فن کا خیال بھی نہ ہوگا۔ لیکن توزک جہانگیری میں اسکے متعلق اس قدر
معلومات ملتے ہیں کہ اس علم کی ایک اچھی ابتدائی تصنیف اس سے تیار ہوسکتی ہے شکار کا شوق شاہی لوازم میں
داخل ہے اور گو خشک مزاج عالمگیر اسکو کار بیکاراں کے لقب سے یاد کرتا تھا لیکن خود بھی اکثر بیکار بن جاتا تھا تاہم آجتک
کسی نے اس سے یہ کام نہیں لیا کہ علم الحیوانات کی تدوین میں کام آئے۔ جہانگیر کو بھی شکار کا بے انتہا شوق تھا ایک دفعہ
اس نے اپنی شکار افگنی کا نقشہ تیار کرانا چاہا چونکہ دفتر میں ایک ایک چیز قلمبند کیجاتی تھی اسلئے تحقیقات سے ثابت ہوا
کہ بارہ برس کی عمر یعنی ۹۸۸ہجری سے پچاسویں سال تک ۲۸۵۳۲ جانور اسنے شکار میں مارے تھے جن میں ۸۶ شیر تھے
توزک میں ایک ایک جانور کی الگ الگ تفصیل لکھی ہے۔

وہ جس جانور کو مارتا تھا فوراً اسکا وزن اور تشریح کراتا تھا اور یہ دیکھتا تھا کہ اسمیں غیر معمولی کیا چیزیں ہیں مثلاً۔
نورجہان بیگم قریشہ این جا بہ بندوق زد کہ تا حال بہ آن کلانی و خوش رنگی دیدہ نہ شدہ بود فرمودم وزن نمودند نوزدہ تولہ و پنج ماشہ بوزن آمد
درین تاریخ امانت خان دو دندان فیل گذرانیدہ بغایت کلان کہ یکے از آن سہ فیع دگر (؟) دو ہشت طسو طول و شانزدہ طسو ضخامت داشت سہ من و سیر

علم الحیوانات کی تصانیف میں سب سے مقدم یہ ہے کہ جس جانور کا ذکر کیا جائے اسکی صورت شکل ڈیل ڈول خط و خال۔
رنگ روپ کا اسطرح بیان کیا جائے کہ آنکھوں میں تصویر پھر جائے حیٰوۃ الحیوان دمیری میں جو اس فن کی سب سے
عمدہ کتاب خیال کی جاتی ہے اکثر یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ جانور جو باہم ملتے جلتے ہیں انکے امتیازات نہیں رہ سکتا۔

لیکن جہانگیر جس جانور کا ذکر کرتا ہی تصویر کھینچکر رکھ دیتا ہی آس سے اسکی قوت تحریر اور قدرت زبان کا بھی اندازہ ہوتا ہے
ولایتی مرغی کا ذکر اوپر گذر چکا ہی اسکو ایک بار اور پڑھوایا اور موقع پر ایک قسم کے بندر کا ذکر کرتا ہی۔

میمونے آوردہ بودبہ ہیئات غریب و شکل عجیب۔ دست و پا و گوش و سر او بعینہ میمون ست و روی او بروی روباہ می ماند۔ رنگ چشمہائے او بہ رنگ چشم باز لیکن از چشم باز کلاں تر ست از سر او تا سر دم یک ذرع معمول بودہ ست از میمون پست تر و از روباہ بلند تر ست رنگ او خاکستری است از بنا گوش تا زنخ سرخ ست جی گون دم او از نیم ذرع دو سہ انگشت دراز تر غافیہ بہ خلاف دیگر میمون یا دم این جانور افتادہ ہست،

لیکن اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام کمیاب جانوروں کی تصویریں کھچوائیں اور توزک جہانگیری میں شامل کیں چنانچہ اس کا ذکر مصوری کے بیان میں آئیگا۔ اکثر شکاروں میں جب کوئی غیر معمولی قد و قامت کا جانور شکار کرتا تھا تو اسکی تصویر کھچواتا تھا سنہ ۱۸ جلوس میں ایک نہایت مہیب شیر کا شکار کیا تو اسکی تصویر کھنچوائی چنانچہ خود لکھتا ہی۔

از ایام شاہزادگی تا حال این ہمہ شیر کہ شکار کردہ ام در بزرگی و شکوہ و تناسب اعضا مثل این شیرے بہ نظر نیامدہ بہ مصوران فرمودم کہ شبیہ آن را موافق ترکیب و جثہ بکشند بست و نہم من جہانگیری وزن شد (صفحہ ۳۷۵)

علم الحیوانات کے نتایج میں آس سے بہت مدد ملتی ہی کہ جانوروں کے نہایت غیر معمولی اقسام ڈھونڈھکر پیدا کئے جائیں کیونکہ اس سے جانوروں کی ماہیت اور جنس و نسل جو قرار پا چکی تھی بدل جاتی ہی۔ جہانگیر اسکا خاص خیال رکھتا ہی سفید رنگ کا چیتہ بہت کم سنا گیا ہی۔ راجہ نرسنگہ دیو نے جب سنہ ۱۲ جلوس میں پیش کیا تو نہایت خوش ہوا توزک میں اسکا جہان ذکر کیا ہی۔ لکھتا ہی کہ میں نے حسب ذیل جانور بالکل سفید دیکھے ہیں اور میرے چڑیا خانے میں موجود ہیں۔

شاہین۔ باشہ۔ شکرا۔ کنجشک۔ کوا۔ بٹیر۔ تیتر۔ پودنہ۔ طاؤس۔ باز۔

جہانگیر کا جانور خانہ حقیقت میں ایک عجائب خانہ تھا اسمیں ایسے بھی بہت سے جانور تھے جنکی خلقت غیر معمولی خلقت تھی ان میں ایک بکرا تھا جو بقدر ایک پیالہ کے دودھ دیتا تھا[۱]۔

سنہ ۹ جلوس میں ولایت دریا و سے ایک پرند آیا جو طوطی کے مشابہ تھا اسکی یہ عادت تھی کہ تمام رات الٹا لٹکر چہچہا کرتا تھا جہانگیر اسکا حال لکھتا ہے

درین روزہا جانورے از ولایت زیر باد آوردہ بودند کہ رنگ او اصل بدن او موافق برنگ طوطی ست لیکن در جثہ از و کوچک تر ست یکی از خصوصیات این جانور آن ست کہ تمام شب پای خود را بہ شاخ درختے یا چیزے کہ او را بران نشانیدہ باشند بند کردہ خود را سرنشیب ہی سازد و با خود زمزمہ میکند و چون روز شد بر بالائے آن شاخ درخت می نشیند آب مطلق نمی خورد و در طبیعت او کار زہر میکند

جہانگیر ان عجائبات کے بہم پہونچانے میں بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا اور آن سے نہایت خوش ہوتا تھا اس قسم کی چیزونکو بہم پہونچاتے تھے اور روپیہ کا مطلق خیال نہیں کرتے تھے مقرب خان کو بندر کھمبات میں بھیجا تو تاکید کی کہ

بہ بندر گوا رفتہ نفایسے کہ دران جا بدست آید جہت سرکار خاصہ شریفہ خریداری نماید حسب الحکم بہ استعداد تمام بہ گووہ رفتہ و مدتے دران جا بودہ

[۱] توزک جہانگیری صفحہ ...

نقل ایسے کہ دران شہر بدست افتاد اصلا از کے تند شدید بہر قیمتے کہ فرنگیان خواستند زر دادہ گرفتہ انان جملہ جانورے چند آوردہ بود بسیار عجیب و غریب

چنانچہ تا حال ندیدہ بودیم بلکہ نام او را کسے نمیدانست الخ

اسکے فیل خانہ میں ایک ہاتھی تھا جسکا نام اپنے گجراج رکھا تھا اس کا قد ساڑھے ۴ گز شرعی اور آٹھ انگل کا تھا (شرعی گز جیسا کہ خود جہانگیر نے تصریح کی ہے چوبیس انگل کا ہوتا ہے یعنی ایک ہاتھ سے کچھ کم)

علم الحیوانات کا نہایت اہم مسئلہ جانوروں کے خصایص طبعی کا علم ہے یعنی کون سے افعال اور خصائص انکی فطرت میں داخل ہیں اور کون سے ایسے ہیں جو تعلیم و تربیت سے بدل سکتے ہیں۔ اسپر بہت سے عملی نتائج موقوف ہیں مثلاً ہاتھی ایک مفید اور ضروری جانور ہے لیکن اسکے خصائص میں ہے کہ آبادی میں جفت نہیں ہوتا اس ضرورت سے ہمیشہ جنگل سے گرفتار کرنے پڑتے ہیں ورنہ اگر انکی نسل پھیل سکے تو نہایت آسانی ہو جائے۔

جہانگیر اس امر پر خاص توجہ رکھتا تھا۔ اور اسنے تجربہ سے ثابت کر دیا کہ بہت سی باتیں جو بعض بعض جانوروں میں فطری سمجھی جاتی تھیں تربیت کے اثر سے بدل سکتی ہیں شیر کی نسبت عام طور پر مشہور ہے کہ کبھی انسان سے رام نہیں ہوتا لیکن جہانگیر لکھتا ہے

شیران بنوعے رام گشتہ اند کہ بے قید و بے زنجیر گلہ گلہ درمیان مردم میگردند و ضرر ایشان بمردم نمی رسد۔

یہ بھی مشہور ہے کہ شیر چیتے ہاتھی۔ آبادی میں بچے نہیں جنتے۔ اکبر نے ایک ہزار کے قریب چیتے جمع کئے تھے اور انکو ایک جگہ کھلا چھوڑ رکھا تھا کہ شاید جفت ہوں لیکن کبھی نہ ہوئے نر اور مادہ کھلے باغوں میں چھوڑ دئے جب بھی الگ رہے۔ لیکن جہانگیر کے جانور خانے میں شیر اور چیتے دونوں نے بچے جنے۔ جہانگیر لکھتا ہے۔

مادہ شیرے آبستن شد۔ و بعد از سہ ماہ سہ بچہ زائیدہ و این ہرگز نشدہ کہ شیر جنگلی بعد از گرفتاری بجفت خود جمع شدہ باشد (صفحہ ۱۱۸)

ہاتھی کی نسبت لکھتا ہے۔ شب یکشنبہ مادہ فیلے از فیل خانہ خاصہ در حضور من زائید مکرر فرمودہ بودم کہ تحقیق مدت حمل نمایند آخر الامر ظاہر شد کہ بچہ مادہ یکسال و شش ماہ و بچہ نر نوزدہ ماہ در شکم مادر میماند بخلاف تولد آدمی کہ اکثر بچہ از شکم مادر بسر فرو می آید بچہ فیل اکثر بپا می آید (۱۴۰)

اسی طرح سارس۔ تذرو وغیرہ کے واقعات لکھے ہیں ایک شیر کی نسبت لکھا ہے کہ ایک بکری سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ بغیر اسکے بسر نہیں کر سکتا تھا دونوں ایک پنجرہ میں رہتے تھے چنانچہ لکھتا ہے۔

شاہزادہ داور بخش شیر نر پیشکش کرد کہ با بز الفت گرفتہ در یک قفس میباشد و بآن بز نہایت محبت و الفت ظاہر میسازد بدستور کہ حیوانات جفت میشوند بز را در آغوش گرفتہ حرکت میکند حکم کردیم کہ آن بز را مخفی داشتند فریاد و اضطراب بسیار ظاہر ساخت (۳۹۹)

اس قسم کے اور بہت سے واقعات لکھے ہیں جو علم الحیوانات کیلئے کار آمد ہیں۔

مصوری

عام خیال ہے کہ چونکہ اسلام نے تصویر کشی کو حرام کر دیا اس لئے مسلمان اس فن میں کچھ ترقی نہ کر سکے بلکہ انکے عہد میں یہ لطیف فن گویا مٹ گیا۔ ہمکو مذہبی مسئلہ سے بحث نہیں لیکن تاریخی واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس فن میں کچھ ترقی کی اور سلاطین اور امرائے اسلام اس فن کے ساتھ خاص شغف رکھتے تھے۔ اور جہانگیر تو گویا عاشق تھا

۱ توزک جہانگیری صفحہ ۱۰۵ ۲ توزک جہانگیری صفحہ ۴

اسکی مہارت اس فن میں اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ایک تصویر اگر مختلف مصوروں کے ہاتھ کی بنی ہوتی تھی تو وہ بتا دیتا تھا کہ کہاں تک کس کے ہاتھ کا کام ہے خود تزک میں لکھتا ہے،

اگر در یک صورت چشم و ابرو را دیگرے کشیدہ در آن صورت می فہمم کہ اصل چہرہ کار کیست؟ و چشم و ابرو را کہ ساختہ؟

اسکے دربار کا مصور ابوالحسن تھا جسکو جہانگیر نے ۱۳ سنہ جلوس میں نادر الزمانی کا خطاب دیا تھا خطاب دینے کی تقریب میں لکھتا ہے

کار او بہ عیار کمال رسیدہ و تصویر او از کارنامہائے روزگار است در این عصر نظیر و عدیل خود ندارد اگر درین روزگار استاد عبدالحی و استاد بہزاد در (صفحہ ۲۳۵) ... سے بودند انصاف کار او مے دادند۔ الحق نادرۂ زمان خود بود و ہمچنین استاد منصور نقاش کہ بخطاب نادر العصری ممتاز ست و در فن نقاشی یگانہ عصر خود

جہانگیر نے نہایت نادر و نادر تصویریں اور مرقعے تیار کرائے تھے ۱۲ سنہ جلوس میں خان عالم کو جب عراق بھیجا ہے تو کشن داس کو جو فن تصویر میں یکتائے روزگار تھا ساتھ بھیجا ہے کہ شاہ عباس صفوی اور اسکے ارکان سلطنت کی تصویر کھینچ لائے چنانچہ خود

وقتے کہ خان عالم را بہ عراق می فرستادم بشن داس نام مصورے کہ در شبیہ کشی از یکتایان روزگار ست ہمراہ دادہ بودم کہ شبیہ شاہ و عمدہ ہائے دولت ایشان را کشیدہ بیارد شبیہ اکثری را کشیدہ بود بنظر در آورد خصوصاً شبیہ شاہ برادرم یعنی عباس صفوی را بسیار خوب کشیدہ بود چنانچہ بہر کس از بندہ ہائے ایشان نمودم عرض کردند کہ

تزک کے شاہی نسخہ میں اپنی جلوس کا مرقع ابوالحسن نادر الزمانی سے تیار کرایا تھا جسکا اوپر ذکر گذر چکا ہے چنانچہ اسکے صلہ میں اس کو نادر الزمانی خطاب دیا تھا جستہ جستہ عجیب غریب حیوانات وغیرہ اسکے عجائب خانہ میں تھی سبکی تصویریں کھنچوا کر جہانگیر نامہ میں شامل کی تھیں

حضرت فردوس مکانی (بابر شاہ) اگرچہ در واقعات خود صورت و اشکال بعضی جانوران را نوشتہ اند لیکن غالباً بہ مصوران نفرمودہ اند کہ صورت آن ہا را تصویر نمایند چون این جانوران در نظر من بغایت غریب در آمدہ ہم نوشتم و ہم جہانگیر نامہ فرمودم کہ مصوران شبیہ آن ہا را کشیدند تا حیرتی کہ از شنیدن ست دیدن زیادہ گردد

قدیم مرقعوں اور تصویروں کا نہایت شائق تھا اور یہ شوق حد سے بڑھ گیا تھا امیر تیمور کے معرکہ جنگ کا مرقع ایک امیر نے ایران سے بہم پہونچایا تھا اسکا ذکر تزک میں جسطرح کیا ہے اس سے اسکے شوق کا اندازہ ہو سکتا ہے یہ مرقع خلیل مرزا نے کھنچوایا تھا اس مرقع میں ۲۴۰ تصویریں تھیں اور یہ سب اُن شہزادوں اور اُمرا کی تصویریں تھیں جو اس معرکہ میں شریک جنگ تھے ہر تصویر کے نیچے صاحب تصویر کا نام بھی لکھ دیا تھا یہ مرقع شاہ اسمعیل صفوی کے کتب خانے سے شاہ عباس کے ہاتھ آیا تھا شاہ عباس کے داروغہ کتب خانہ نے اسکو چوری سے بیچ ڈالا اتفاق یہ کہ جہانگیر نے خان عالم کو جب ایران بھیجا تھا تو اصفہان میں یہ مرقع بازار میں بک رہا تھا خان عالم نے خرید لیا شاہ عباس کو خبر ہوئی تو خان عالم کو لکھ بھیجا کہ میں صرف دیکھنا چاہتا ہوں بھیجدو۔ خان عالم نے بہت ٹالا لیکن شاہ عباس کے اصرار سے مجبور ہو گیا اور آخر بھیجدیا شاہ عباس کو چونکہ جہانگیر کی تصویر دوستی کا حال معلوم تھا چند روز اپنے پاس رکھکر خان عالم کے پاس بھیجدیا یہ تمام داستان جہانگیر نے تزک میں لکھی ہے اور عجیب جوش مسرت سے لکھی ہے ایک جگہ لکھتا ہے۔

از نفائس و نوادر روزگار کہ خان عالم آوردہ الحق از تائیدات طالع او بود کہ چنین تحفہ بدست افتادہ مجلس جنگ صاحبقران ست اگرچہ نام مصور نبودہ گمان می شد کہ کار بہزاد باشد۔

چون توجہ خاطر ما را بہ امثال این نفائس می دانند کہ درچہ مرتبہ ہست از خواستن نیز در کلی وجزوی بحمد اللہ کہ مضائقہ نیست بحقیقت را بہ خان عالم ظاہر ساختہ باز بر مشار الیہ لطف نمودند صفحہ ۲۸۵)

اپنے زمانہ کے ناموروں کے بت (اسٹیچو) بھی تیار کرائے تھے اور تعجب یہ ہے کہ ان میں ہندو راجاؤں کے بت بھی تھے۔ مہارانا اودے پور اور اُسکے ولیعہد کرن کا جو بت تیار کرایا تھا اسکے متعلق سنہ ۱۱ جلوس کے واقعات میں لکھتا ہے۔

صورت رانا کرن پسر اورا بہ سنگ تراشان نیز چنگ فرمودہ بودم کہ از سنگ مرمر بہ قدم و ترکیب کہ دارند تراشند درین تاریخ صورت اتمام یافتہ بہ نظر درآمد فرمودم کہ بہ آگرہ بردہ در باغ جھروکہ درشن نصب کنند صفحہ ۱۶۲ و ۱۶۳)

جہانگیر تصویر شناسی کا جو دعوی کرتا ہے تذکروں اور تاریخوں سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے سرخوش نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک تصویر جہانگیر کو لاکر دی جس میں ایک عورت کی تصویر اس حالت میں کھینچی تھی کہ اسکی کنیز جھانوین سے اُسکے تلوے مل رہی ہے جہانگیر نے پانچہزار روپے دیکر وہ تصویر لی اس پر صاحب تصویر کو تعجب ہوا اور عرض کی کہ حضور اسمین کیا بات ہے؟ جہانگیر نے کہا جب تلوے سہلائے جاتے ہیں تو خفیف سی گدگدی پیدا ہوتی ہے اسکا اثر چہرہ پر بھی ظاہر ہوتا ہے اور یہ اثر تصویر میں موجود ہے۔

صناعی اور صنعت گری جہانگیر کی خوش مذاقی اور قدردانی نے صناعی کو جس قدر ترقی دی اسکی تفصیل اس رسالہ میں سما نہیں سکتی ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں جسکا ذکر جہانگیر نے سنہ ۶ جلوس کے واقعات میں استعجاب کے ساتھ کیا ہے یہ پستہ کے چھلکے کے برابر ہاتی دانت کے چار مرقعے تھے ایک میں چند پہلوان باہم لڑ رہے ہیں ایک ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا ہے دوسرے کے ہاتھ میں پتھر کا ٹکڑا ہے ایک اور پہلوان زمین پر ہاتھ ٹیکے ہوئے بیٹھا ہے سامنے ایک کمان ایک لکڑی اور ایک طرف رکھا ہوا ہے دوسرے مرقع میں ایک تخت ہے جسپر ایک شامیانہ تنا ہوا ہے تخت پر ایک بادشاہ پاؤن پر پاؤن رکھے ہوئے بیٹھا ہے پیٹھ تکیہ سے لگی ہوئی ہے پانچ خدمتگار گرد و پیش کھڑے ہیں اوپر سے ایک درخت کی شاخ بادشاہ کے سر پر سایہ کر رہی ہے تیسرے مرقع میں نٹ تماشا دکھا رہے ہیں ایک بلی کھڑی ہے اسمیں تین طنابین بندھی ہیں ایک نٹ اسطرح کھڑا ہے کہ بائیں ہاتھ کو سر کے پیچھے سے لاکر دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا ہے ایک ہاتھ میں ایک لکڑی ہے جسکے سر پر ایک بکری معلق ہے اور ایک نٹ گلے میں ڈھول ڈالے ہوئے بجا رہا ہے ایک اور شخص ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے کھڑا ہے اور طناب کی طرف دیکھ رہا ہے پانچ شخص اور ادھر ادھر کھڑے ہیں۔ چوتھے مرقع میں ایک درخت ہے درخت کے نیچے حضرت عیسی علیہ السلام بیٹھے ہوئے ہیں ایک آدمی انکے پاؤن چوم رہا ہے وہ ایک پیر مرد سے باتیں کر رہے ہیں چار شخص اور آس پاس کھڑے ہیں۔

لطف یہ کہ یہ تمام تصویرین جو ہاتی دانت کی تھیں صرف ایک پستہ کے چھلکے میں آجاتی تھیں جہانگیر کو اس صنعت گری پر اس قدر حیرت ہوئی کہ ان الفاظ میں اس کا ذکر کرتا ہے۔

یکے از غلامان بادشاہی کہ در خانہ بند خانہ کاری کنند کارنامہ ساختہ نذر گذرانیدہ کہ تا امروز مثل این کارے نہ شدہ بلکہ نشنیدہ ام چون نہایت غرابت

دارد بہ تفصیل نوشتہ می شود (توزک جہانگیری صفحہ ۹)؛

عبرت توزک جہانگیری ۔ سر سید مرحوم نے علی گڈہ میں چھپوائی تھی اس موقع پر ایک حاشیہ لکھا ہی جسمیں تحریر فرماتے ہیں ۔

ظاہرا این کارنامہ از غلام خانم بندخانہ شاہی معلوم نمی شود چہ در مجلس چہارم ساختن صورت حضرت عیسی علیہ السلام را و جی معلوم نمی شود ۔ غالباً این کارنامہ از کارنامہائے کاریگران فرنگ بودہ و بہ بیستش افتادہ آن را از نام کارنامہ خود در گذرانیدہ؛

سید صاحب کو اسکا یقین نہیں آسکتا کہ کوئی ہندوستانی شخص بھی ایسا کمال دکھا سکتا ہی اسلئے فرماتے ہیں کہ کسی یورپین نے بنائی ہوگی اور اسپر یہ قرینہ قائم کرتے ہیں کہ چوتھے مرقع میں حضرت عیسی کی تصویر بھی خوش اعتقادی کی یہ اخیر حد ہی جس زمانے کا ذکر ہے اسوقت یورپ یہ یورپ نہ تھا اور سچ یہ ہی کہ ہاتھ کی صناعیوں میں آج بھی یورپ ایشیا سے بازی نہیں لیجا سکتا مسلمان ۔ انبیائے بنی اسرائیل سے ایسے نا آشنا نہ تھے کہ حضرت عیسی کی تصویر بنانا انکے لئے کوئی تعجب انگیز بات ہوتی ۔ خصوصاً جب کہ اکبر نے عیسائیوں کو دربار میں دخل دیا تھا اور حضرت عیسی و مریم کی تصویریں بنانا عام ہو چکا تھا ۔

تحقیقات اشیاء جہانگیر کو ہر چیز کی تحقیقات کا خاص شوق تھا جس ملک اور جس صوبہ میں جاتا تھا ۔ وہاں کی ایک ایک چیز کی تحقیق کرتا تھا ۔ ہر جگہ پرچہ نویس اور واقعہ نویس مقرر تھے کہ ملکی حالات کے ساتھ ہر قسم کی تحقیقات کی رپورٹ کرتے آتے تھے جہانگیر انکی تحقیق کرتا تھا اور اکثر غلط ثابت ہوتی تھیں مثلاً عام طور پر مشہور ہی کہ مومیائی کے استعمال سے زخم فوراً اچھا ہو جاتا ہی جہانگیر نے اسکا تجربہ کیا اور نتیجۂ تجربہ ان لفظوں میں لکھتا ہی ۔

در باب اثر مومیائی از حکیمان سخنان شنیدہ بودم چون تجربہ شد ظاہر نہ گشت نمی دانم کہ اطبا در اثر آن مبالغہ از حد گذرانیدہ اند یا بکہنگی اثر آن گم شدہ باشد بہر تقدیر بہ دستورے کہ قرار داد اطبا بود بپائے مرغ را شکستہ زیادہ از آنچہ می گفتند خورانیدہ پارہ بر محل شکستگی مالیدہ شد و تا سہ روز محافظت نمودند حالانکہ مذکور می شد کہ از صباح تا شام کافی ست بعد از آن دیدہ شد ہیچ گونہ اثرے ظاہر نشد صفحہ ۱۱)

زعفران کا خندہ زا ہونا عموماً مسلم ہی چنانچہ ذخیرۂ خوارزم شاہی میں جو طب کی معتبر کتاب ہی بہ تصریح مذکور ہے جہانگیر نے قید خانہ سے ایک قیدی کو بلا کر پاؤ سیر زعفران کھلا دی کچھ اثر نہ ہوا دوسرے دن آدھ سیر تک کھلائی جس پر ہنسی تک نہ آئی ہما جسکا سایہ مشہور ہی ۔ جہانگیر نے اسکا پتہ لگایا تو اس قدر معلوم ہوا کہ پیر پنجال کے پہاڑوں میں ایک پرند ہوتا ہی ہڈیاں کھاتا ہی جہانگیر نے حکم دیا کہ جو شخص شکار کر لائے ہزار روپیہ انعام پائیگا چنانچہ جمال خان بندوق سے مار کر لایا جہانگیر نے سینہ چاک کرکے دیکھا تو چینہ دان میں ہڈی کے ریزے نکلے اسی بنا پر شاعر نے کہا ہی ۔

ہمائے بر سر مرغان از ان شرف دارد	کہ استخوان خورد و جانور نیازارد

چونکہ تمام ملک کو جہانگیر کے مذاق کا حال معلوم ہو گیا تھا اسلئے ہر جگہ سے اسکو مفید اطلاعیں پہونچتی تھیں ۔ آسمان سے جو ستارے ٹوٹ کر گرتے ہیں عوام انکو خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہی کہ ستارے

لہ توزک جہانگیری صفحہ ۲۹۶ ۔ تہ توزک جہانگیری صفحہ ۲۹۸

کبھی کبھی باہم ٹکرا کر ٹوٹ جاتے ہیں تصادم کے وقت ان سے روشنی نکلتی ہے انکے اجزا زمین تک بھی آجاتے ہیں جہانگیر کے زمانے میں ایک دفعہ جالندھر کے مضافات میں بڑے زور کی آواز آئی۔ ساتھ ہی آسمان سے بجلی سی گری یہ معلوم ہوتا تھا کہ آگ برس رہی ہے دس بارہ گز تک زمین بالکل سیاہ ہو گئی تھی زمین کو کھودا تو لوہے کا ایک ٹکڑا نکلا جو سخت گرم تھا جب ٹھنڈا ہوا تو پرگنہ کے حاکم نے خریطہ میں رکھکر جہانگیر کے پاس بھیجا۔ جہانگیر نے اُستاد داؤد کو حکم دیا کہ اسکی تلوار بنا کر لائے معلوم ہوا کہ گھن پڑنے سے چور ہو جاتا ہے۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ لوہا بھی اسمیں ملا دیا جائے چنانچہ چوتھائی حصہ لوہا ملا کر دو تلواریں اور خنجر وغیرہ تیار ہوئے جنمیں بھی تلواروں کا سا جوہر تھا۔ جہانگیر نے سامنے تجربہ کرایا تو تلواروں نے خوب کاٹ کیا بیدل خاں نے

از شاہ جہانگیر جہاں یافت نظام — افتاد بہ عہدش ز برق آہن خام
زان آہن شد بہ حکم عالمگیرش — یک خنجر و کارد و دو شمشیر تمام

جہانگیر کی دقت نظری اور موشگافی اس حد تک تھی کہ مصنوعی اور مشتبہ چیزیں گو کتنی ہی نظر فریب ہوں اسکو دھوکا نہیں دیسکتی تھیں بارہا لوگوں نے بڑے عجیب غریب مرقعے اور تصویریں وغیرہ اسکے سامنے پیش کیں لیکن اسنے ظاہر فریبی پر اعتبار نہیں کیا سنہ ۱۳ جلوس میں مقرب خان نے ایک تصویر بھیجی جو یورپ سے ہاتھ آئی تھی اور جسکی نسبت روایت تھی کہ تیمور کی اسوقت کی تصویر ہے جب اسنے سلطان بایزید یلدرم کو گرفتار کیا تھا اُس وقت قسطنطنیہ میں عیسائی حکومت تھی وہاں کے فرمانروا نے تیمور کے پاس سفارت بھیجی سفیر کے ساتھ مصور بھی آیا تھا یہ تصویر اُسنے کھینچی تھی جہانگیر اس واقعہ کو لکھکر لکھتا ہے۔

اگر این دعوی اصلی داشته باشد هیچ چیز تحفه پیش من بهتر ازین نخواهد بود چون بصورت و حلیه اولاد و فرزندان سلسله علیه آن حضرت شباهتے ندارد خاطر [illegible][1]

جہانگیر کو اس تحقیقات کا خاص شوق تھا کہ ہر چیز کس حد تک معمولی حالت سے زیادہ ہو سکتی ہے چنانچہ اسنے بیشتر درختوں پھلوں۔ جانوروں وغیرہ کے متعلق اس قسم کی تحقیقات کرائیں مثلاً انار کی نسبت ثابت ہوا کہ ۴ تولہ تک ہوتا ہے بہی ۲۹ تولہ تک یہ دونوں پھل فراہ سے آئے تھے[2] اور اسنے وزن کرا کر دیکھا تھا فتحپور سے ایک تربوز آیا جو وزن کرنے پر ۳۳ سیر کا ٹھہرا سنہ ۱۱ جلوس میں جب شیخوپورہ پہنچا تو بڑ کا ایک درخت غیر معمولی قد و قامت کا نظر آیا اس کی پیمائش کرائی معلوم ہوا کہ اسکے تنہ کا دور اٹھارہ گز اور جڑ سے شاخ تک کی بلندی[3] ۲۱ گز۔ اور جٹائیں جو زمین گیر ہو کر درخت بنگئی ہیں ۲۰۳ گز ہیں ایک شاخ جو ہاتھی کے دانت کیطرح سامنے نکلی ہوئی تھی ۴ گز تھی۔ اسی سنہ میں خرمے کا ایک عجیب غریب درخت نظر سے گذرا ۶ گز اونچا اوپر جا کر دو شاخیں ہو گئی تھیں اور ہر شاخ دس دس گز کی تھی جہانگیر نے مصوروں سے اسکی تصویر کھچوا کر جہانگیر نامہ میں درج کرائیں[4]۔ اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں جنکی تفصیل نہیں ہوسکتی

سپہ گری کا مذاق

تمام انگریزی مورخوں اور انکے مقلدوں نے جہانگیر کو جس عینک سے دیکھا ہے اس سے وہ ایک مست الست

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۲۴۳، [2] تزک جہانگیری ۲۱۵ [3] تزک جہانگیری ۱۷۸، [4] تزک جہانگیری صفحہ ۱۷۴

عیاش نظر آتا ہی لیکن تاریخی نگاہ پہلے ہی نظر میں پہچان سکتی ہی کہ یہ وہی تیمور کا پوتا اور اکبر اعظم کا بیٹا ہی وہ نور جہان بیگم سے اتنی بات پر برہم ہوگیا اور مدتوں اُس سے بات نہ کی کہ وہ دفعتہً شیر کے خیمہ میں آجانے سے بھاگ گئی تھی مہابت خان سپہ سالار نے جب باغی ہوکر سات ہزار راجپوتوں سے دفعتہً اسکا محاصرہ کرلیا۔ اور وہ بالکل تنہا رہ گیا تو بار بار تلوار کے قبضہ پر ہات ڈالتا تھا کہ اُسکا سر اڑادے لیکن ہر شخص نے روکا کہ یہ تحمل اور بلند حوصلگی کا وقت ہی ایک دفعہ شیر کو اس نے بندوق کے کندے سے مار کر گرادیا چنانچہ اس کا حال خود لکھتا ہے۔

شیر از شدت غضب از جا برخاسته به قفائے فیل برآمد و فرصت مقتضی آن نشد کہ بندوق را گذاشته شمشیر را کار فرمایم سر بندوق را گردانیده بہ زانو درآمدم و بہ دو دست سر بندوق را چنان بر سر و روی او زدم کہ از آسیب آن بر زمین افتاد و جان داد[1]

بہتیرا۔ بیس بیس تیس تیس تیر کھاکر بھی نہیں مرتا جہانگیر نے ایک ایک تیر میں مارا ہی چنانچہ اسکا تذکرہ فخر کے لہجے میں کیا ہی لیکن بالآخر شرماکر کہتا ہی کہ اپنے منہہ سے اپنے واقعات کیا بیان کروں اسلئے اسی ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

گرگے از پیش برآمد تیرے نزدیک بہ بناگوش زدم کہ قریب بہ یک وجب فرو نشست و بہمان تیر افتاد و جان داد۔ و بسیارے بودہ کہ پیش من جوانان سخت کمان بیست تیر و سی تیر زدہ اند و نمردہ چون از خود نوشتن خوشنما نیست زبان قلم را از عرض این وقایع کوتاہ می دارم[2]

باوجود اسکے کہ اسکا زمانہ شاہانہ ناز و نعمت کا اوج شباب تھا اور زمین و آسمان راحت و آرام کے گہوارے بن گئے تھے تاہم اس میں وہی سپاہیانہ جفاکشی اور محنت کے انداز موجود تھے جو اسکے اسلاف کے جوہر تھے دریا میں جال لیکر اترنا اور مچھلی کا شکار کرنا۔ ماہی گیروں کے سوا کون کرسکتا ہی لیکن جہانگیر کو باین شاہنشاہی اس سے عار نہیں اور شوقیہ کرتا ہی چنانچہ خود لکھتا ہے،

تا حال سفرہ دام کہ از دامہاے مقرر ست و بہ زبان ہندی بھنور جال گویند نہ انداختہ بودم۔ انداختن آن خالی از اشکالی نیست بہ دست خود این دام را انداختہ ہ دوازدہ ماہی گرفتم و مروارید یار در بینی آن کشیدہ بہ آب سر دادم +

ایک دفعہ باغ میں مجلس آراستہ تھی باغ میں ایک نہر تھی جسکا پاٹ سہ گز کا تھا سب کو حکم دیا کہ اسکو پھاندیں اکثر لوگ بیچ میں رہ گئے جہانگیر نکل گیا تاہم لکھتا ہے،

من ہم اگرچہ جستم۔ اما بہ آن چستی کہ در سی سالگی جستہ بودم درین ایام کہ عمر من بہ چہل سالگی رسیدہ آن قدرت و چالاکی نتوانستم جست[3]

کابل میں سات باغ۔ دور دور فاصلہ پر ہیں ان سب کی ایک ہی دن میں پاپیادہ سیر کی درختوں پر خود چڑھکر پھل توڑتا تھا اور لکھتا ہی کہ اس طرح پھل کھانے میں خاص لطف ہے۔

شمشیر بازی کا فن مرتضیٰ خان دکنی سے سیکھا تھا جو اس فن میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا چنانچہ ۸ جلوس میں اسکو ورزش خان کا خطاب دیا،

[4] یہ واقعہ گویا ماثر الامرا میں بہ تفصیل لکھا ہے [1] توزک جہانگیری صفحہ ۴۷ [2] توزک جہانگیری صفحہ ۳۶۷ [3] توزک جہانگیری صفحہ ۱۰۱ [illegible]

ایشیائی سلطنتوں کا عام قاعدہ ہے کہ بادشاہ کا مذاق تمام ملک میں سرایت کر جاتا ہے اور تمام لوگوں میں وہی خصائل پیدا ہو جاتے ہیں جو خود بادشاہ میں ہوتے ہیں۔ جہانگیر کے زمانے میں سپہگری اور بہادری کا مذاق اس قدر عام ہو گیا تھا لوگ شیروں سے لپٹ جاتے تھے اور دست بدست لڑتے تھے سنہ جلوس میں جب ایک شیر دفعتہً جہانگیر پر آپڑا تو انوپ رائے بڑھکر شیر سے مقابل ہوا چنانچہ اسکی کیفیت جہانگیر ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

انوپ رائے سپاہیانہ دست گذاشتہ بہ شیر متوجہ شد شیر بہ ہمان چستی و چالاکی کہ حملہ آوردہ بود برو برگشت و او مردانہ بہ شیر روبرو شد آن چوب کہ در دست داشت بہ ہر دو دست دو بار بر سر او محکم فرو کوفت شیر دہن باز کردہ ہر دو دست انوپ رائی در دہن گرفتہ انوپ رائے دست ہائے خود را از دہن شیر برمی آورد و دو دستہ شتے بر کلہ او میزند و بہ پہلو غلطیدہ بر زمین افتاد و استادہ می ایستد در رنگ دو کشتی گیر بر یکدیگر پیچیدہ غلطان شدند

سنہ جلوس میں چوروں نے شاہی خزانہ پر چھاپا مارا چند روز کے بعد انکا پتہ لگا اور گرفتار ہو گئے۔ جہانگیر نے انکے سردار کی نسبت حکم دیا کہ ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیا جائے اسنے عرض کی کہ حکم ہو تو میں ہاتھی سے لڑ سکتا ہوں جہانگیر نے اجازت دی۔ وہ خنجر لیکر بڑھا ہاتھی نے چند دفعہ اسکو اٹھا کر ٹپک دیا لیکن وہ ہر بار بڑھکر ہاتھی پر حملہ آور ہوتا تھا یہانتک کہ ہاتھی کو پھر اسکی طرف بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

نور جہان بیگم کا شیر مارنا سب جانتے ہیں۔ لیکن اسنے یہ مشق جہانگیر کی نازضی کے بعد پیدا کی تھی۔

دادرسی۔ رعایا کی خبرگیری اور جفاکشی

مخالفین تو کہتے ہیں کہ جہانگیر کا شراب و کباب کے سوا۔ اور کچھ کام نہ تھا لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ رعایا کی دادرسی عدل و انصاف ملک کی خبرگیری میں اکبر کے سوا کوئی اسکا جواب نہ تھا اس دعوی کا ثبوت تفصیل اور وسعت کے ساتھ تو اور تاریخوں سے ہو سکتا ہے لیکن ہمارے مضمون کا عنوان تزک جہانگیری تک محدود ہے یعنی جو واقعات خود تزک جہانگیری سے ثابت ہوں اُن سے تجاوز نہ کیا جائے اس لئے ہم اس دائرہ سے باہر نہیں جانا چاہتے۔ جہانگیر اپنے نامور باپ کیطرح دن رات میں صرف تین گھنٹہ سوتا تھا چنانچہ خود لکھتا ہے۔

بکرم الہی عادت چنان شدہ کہ درمیان شبان روزے بیش از دو سہ ساعت نجومی نقد وقت بہ تلخ خواب نمی رفت و درین ضمن دو فائدہ منظور ہست یکے آگاہی از ملک و دوم بیدار دلی بیاد حق۔

احمدآباد گجرات کی آب و ہوا اسکو نہایت ناموافق آئی تاہم جبتک رہا عین گرمی اور شدت کے وقت دوپہر کے بعد کھلے میدان میں دربار عام کرتا تھا اور حکم تھا کہ نقیب اور چوبدار وغیرہ بالکل ہٹا دئے جائیں کہ کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو چنانچہ لکھتا ہے۔

چون مردم این شہر بغایت ضعیف دل و ناچیز اند بہ جہت احتیاط کہ مبادا بعضے از اہل حاجت بہ تعدی دستوری خانہ ملکی [illegible]

برو پیدگی [illegible] تاریخی کہ درین شہر نزول [illegible] اتفاق افتاد باوجود [illegible]

ہیچگونہ حاجبے و مانعے از در و دیار و لیساول و چوبدار نبود [illegible] ساعت نجومی [illegible]

جہانگیر و تقہیات سیاست [illegible] باکمال درد الم [illegible]

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۹۰ [2] تزک جہانگیری صفحہ ۱۲۸ [3] تزک جہانگیری صفحہ ۲۳۲ [4] تزک جہانگیری صفحہ [illegible]

یہ امر تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ عدل و انصاف میں جہانگیر بالکل بے لاگ تھا اس معاملہ میں اسکے نزدیک دربار کا ایک رکن اعظم اور ایک غریب مزدور دونوں برابر تھے اخیر میں نورجہان اسکے مزاج پر بالکل حاوی ہوگئی تھی تاہم جیسا کہ صاحب مآثر الامرا نے بھی تسلیم کیا ہے اس نے نورجہان سے کہدیا تھا کہ سلطنت تمہاری ہے لیکن مظلوموں کے مقابلہ میں خبردار کسی کی سعی سفارش نہ کرنا جو کبھی میرے سامنے پیش نہ جاسکے گی مقرب خاں سے بڑھکر کوئی معتمد تھا اسکے ساتھ وہ دربار اور سلطنت کا رکن اعظم تھا تاہم جب ایک بڑھیا بیوہ نے اسکی شکایت کی تو بڑی سختی سے تحقیقات کی اور مقرب خاں کے نوکر کو جو جرم کا مرتکب ہوا تھا قتل کرکے مقرب خان کا منصب گھٹا دیا[۱] اس بارے میں اسکے واقعات تعجب انگیز داستان بن گئے ہیں اور گو ہمنے تزک جہانگیری کا التزام کیا ہے لیکن صرف ایک واقعہ ایک دوسری کتاب کی سند سے لکھتے ہیں،

ایک دفعہ نورجہان بیگم مہتابی پر ٹہل رہی تھی اتفاق سے کوئی راہرو اُدھر سے گذرا اور اسنے نظر اُٹھاکر نورجہاں کی طرف دیکھا نورجہاں نے اسکو گولی ماردی جہانگیر کو خبر پہونچی فوراً حکم دیا کہ تحقیقات کی جائے جرم ثابت ہوا اور قاضی صاحب نے قصاص کا فتویٰ دیا علما مفتیوں کو حکم ہوا کہ محل میں جاکر نورجہاں کو پکڑ لائیں اور جلاد کے حوالہ کردیں۔ نورجہاں نے بہت کچھ روپیہ کا لالچ دیا لیکن سب جہانگیر کی انصاف پرستی سے واقف تھے کسی نے کچھ نہ سنی بالآخر نورجہاں نے مقتول کے ورثہ کو راضی کیا کہ خون بہا لیں چنانچہ دو لاکھ روپیہ خونبہا لیکر اُن لوگوں نے دست برداری کی اور جہانگیر سے کہدیا کہ ہمکو کچھ دعویٰ نہیں جہانگیر نے کہا شاید تم لوگوں پر بیگم کی طرف سے کچھ دباؤ پڑا ان لوگوں نے یقین دلایا کہ نہیں ہمنے بخوشی ایسا کیا ہے جہانگیر نے رہائی کا حکم دیا یہ سب کچھ ہوچکا تو محل میں گیا اور (عشق کی ادا دیکھو) نورجہاں کے پاؤں پر گرکر کہا کہ اے بیگم اگر تراہی کشتند من چہ می کردم[۲]

جہانگیر کی پالیسی

اکبر اور جہانگیر کی پالیسیاں گو متحد المقصد تھیں لیکن ایک نہایت اہم فرق تھا۔ اس امر میں دونوں متفق تھے کہ ہندو اور مسلمانوں کے حقوق یکساں ہیں اور دونوں پر یکساں حکومت کرنا فرض سلطنت ہے لیکن اکبر کا خیال تھا کہ اس مقصد کے لئے مذہبی جوش اور اثر کا رنگ ہلکا کرنا ضرور ہے اسلئے وہ ہندو عیسائی۔ پارسی تمام مذہبوں کا ظاہری قالب اختیار کرتا رہتا تھا وہ صبح کو سورج پر پانی چڑھاتا تھا شام کو چراغ کی تعظیم کرتا تھا حضرت عیسے اور مریم کی تصویروں کے آگے سر جھکاتا تھا لیکن جہانگیر سمجھتا تھا کہ پکا مسلمان پکا متعصب پکا دیندار رہ کر بھی غیر مذہب والوں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے جاسکتے ہیں اس بنا پر وہ ایک طرف تو پنڈتوں سے مذہبی مباحثہ کرکے انکو قائل کرتا ہے[۳] ایک ہندو راجہ منوافروز کو ہدایت و تلقین سے (نہ بہ جبر) مسلمان کرتا ہے[۴]۔ کوٹ کانگڑہ فتح کرکے اسلامی شعار جاری کرتا

۱؎ تزک جہانگیری صفحہ ۴۴، ۲؎ اس واقعہ پر لوگوں کو یقین کرنا مشکل ہوگا لیکن والہ داغستانی نے بہ تفصیل تمام اسکو ریاض الشعرا حالات جہانگیر میں لکھا ہے والہ داغستانی شیعہ تھا اور قاضی نور اللہ شوستری کے خون کا اسکو داغ تھا اسلئے اسکی شہادت بیکار نہیں ہوسکتی ۳؎ تزک جہانگیری صفحہ
۴؎ تزک جہانگیری صفحہ ۱۴۵،

ہے اور اس پر ناز کرتا ہے دوسری طرف راجہ مان سنگھ کو بنگالہ کا گورنر کرکے ۵۰ ہزار فوج کا افسر مقرر کرتا ہے راجہ جگناتھ کو پنجہزاری منصب کے ساتھ خلعت اور مرصع تلوار عنایت کرتا ہے رانا شنکر کو جو مہارانا اودے پور کا برادر عم زاد تھا خلعت دیکر اودی پور کی مہم پر بھیجتا ہے بیر داس کو بکرماجیت کا خطاب اور میر آتشی کا عہدہ دیکر ۵ ہزار توپچیوں کا افسر کرتا ہے[1] شیخ عبدالحق دہلوی کی جسطرح تعظیم و تکریم کرتا ہے جدروپ گسائیں کیساتھ بھی اسی اعزاز و خلوص اور احترام کیساتھ پیش آتا ہے[2] اسکی تمام تاریخ میں ایک واقعہ بھی منقول نہیں کہ اسنے مذہب کی بنا پر ملکی حقوق میں کوئی تفریق کی ہو اسنے اکبر کی پالیسی کی ان لفظوں میں مداحی کی ہے اور اس حد تک خود اسکا پیرو تھا۔

بہ مقتضای آن کہ سایہ می باید کہ پرتو ذات باشد در ممالک محروسہ اش کہ بہر حدی بہ کنار دریائے شور منتہی گشت ارباب ملتہای مختلف و عقیدہ ہائے صحیح و ناقص را جا بودہ راہ تعرض بستہ گشتہ سنی با شیعہ در یک مسجد و فرنگی با یہودی در یک کلیسا طریق عبادت می سپردند[3] آئین عشق بہ کونین صلح

ہندوں سے اصلی تعلقات اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ تیموریوں کے تعلقات در اصل ہندوں کے ساتھ کیا تھے؟ تو ملکی تاریخ سے لوگوں کو تسلی نہیں ہوتی۔ ایک بدگمان معترض کہہ سکتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ تیموریوں نے ہندوں کو تمام ملکی حقوق دیئے ہر قسم کے عہدے عطا کئے قتل و قصاص میں کوئی تفریق نہیں کی تاہم جو کچھ تھا مجبورانہ پالیسی تھی تیموری جانتے تھے کہ مٹھی بھر مسلمانوں سے اتنے بڑے وسیع ملک پر حکمرانی نہیں کیجا سکتی اسلئے وہ مصلحۃً ہندوں سے دست و بازو کا کام لیتے تھے لیکن توزک جہانگیری اس مشکل کو بھی حل کر سکتی ہے جہانگیر اکثر ملکی دربار چھوڑ کر گھر میں آبیٹھتا ہے اور اس وقت خانگی زندگی اور دلی جذبات کا آئینہ بنجاتا ہے اس حالت میں وہ جو کچھ ہے اور جیسا کچھ ہے بے پردہ نظر آتا ہے ہندو رانیاں تیموریوں کے گھر میں آئیں۔ اور حرم میں ہم پتہ لگانا چاہتے ہیں کہ یہ بھی زور حکومت کی ایک شان تھی اور رانیاں در حقیقت لونڈیاں بنکر رہیں اور انسے وہی ظاہری رواداری کا برتاؤ تھا یا یہ رانیاں تیموریوں کی عزیز تر بیویاں اور محبوب سی محبوب مائیں بن گئیں جہانگیر کی ایک بیوی راجہ مان سنگھ کی بہن تھی خسرو اسی سے پیدا ہوا تھا اور چونکہ اسکا ماموں راجہ مان سنگھ اور خسر خان کوکلتاش تھا اسلئے اسکو اکبر ہی کے زمانے میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جہانگیر کے بجائے تخت سلطنت مجھکو ملنا چاہیئے چنانچہ ہمیشہ باپ سے آمادہ بغاوت رہتا تھا لیکن اسکی ماں اسکو ہمیشہ اس خیال سے باز رکھتی تھی خسرو نہیں مانتا تھا اور ماں کی کوفت بڑھتی جاتی تھی یہانتک کہ اس صدمہ سے اسنے افیون کھاکر جان دیدی جہانگیر لکھتا ہے؛

از خوبی ہا و نیکی ذاتی او چہ نویسم عقلے بہ کمال داشت و اخلاص او بہ من بدرجہ بود کہ ہزار پسر و برادر را قربان یک موے من میکرد مکرر بخسرو مقدمات نوشت و او را دلالت بہ اخلاص و محبت من میکرد چون دید کہ ہیچ فائدہ ندارد و از خیر تے کہ لازمۂ طبیعت راجپوتانی ست خاطر بمرگ نہاد و تورہ دادہ روز بیست و ششم ذیحجہ سنہ ۱۰۱۲ ہجری افیون بسیار در عین سوزش دماغ خوردہ در اندک زمانے در گذشت[4]۔

رانی نے تو محبت شوہری کا یہ ثبوت دیا جہانگیر کا جو حال ہوا وہ اسی کی زبان سے سننا چاہیئے۔

---

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۹،۸ [2] توزک جہانگیری صفحہ ۱۶ [3] توزک جہانگیری صفحہ ۱۶ [4]

از فوت او بنا بر تعلقے کہ داشتم ایامے برمن گذشت کہ از حیات و زندگانی خود ہیچ گونہ لذتے نداشتم چہار شبانہ روز کہ سی و دو پہر باشد از غایت کلفت و اندوہ چیزے از ماکول و مشروب دار طبیعت نگشت چون این قصہ بہ والد بزرگوارم رسید دلاسا نامہ در غایت شفقت و مرحمت بدین مرید فدوی صادر گشت و خلعت و دستار مبارک از سر بر داشتہ بودند ہمان طور بستہ بہ جہت من فرستادند این عنایت آبے بر آتش سوز و گداز من زدہ ضطراب و اضطراب مرا فی الجملہ قرار و آرامی بخشید[۵۱]

غور کرو اس واقعہ میں چار شبانہ روز کا فاقہ۔ دل کا کسی طرح قرار نہ پانا۔ اکبر کی یہ حالت دیکھکر نہایت دردآمیز تسلی نامہ لکھنا اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر بھیجنا۔ ایسی چیزیں ہیں جو بناوٹ سے پیدا ہو سکتی ہیں؟ بے شبہہ تیموریوں نے ہندوؤں کے ملک کو نہیں بلکہ دلکو فتح کر لیا تھا اور ہندوؤں کے اخلاص و محبت نے فاتح کو مفتوح بنا لیا تھا

بہر لوح مشہد پروانہ این رقم دیدم ٭ کہ آتشے کہ مرا سوخت خویش را ہم سوخت

علما اور فقرا کی قدردانی

ایشیائی سلطنتوں میں علم و فضل کا رواج۔ سلاطین کی قدردانی موقوف ہے اور اس باب میں سلاطین اسلام کو عموماً تمام دنیا کے حکمرانوں پر ترجیح ہے۔ جہانگیر بھی علمی قدردانی میں اسلاف کی ایک عمدہ مثال تھا وہ ہر مذہب کے علما اور فقرا سے ملتا تھا اور ان کے ساتھ برتاؤ میں تمام آداب شاہی کو بھول جاتا تھا۔ اسکے ساتھ چونکہ نکتہ شناس تھا اسلئے ہر شخص کی نسبت ایسی رائے ظاہر کرتا ہے جو ایک بڑے مدقق کا کام ہو سکتا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی نسبت لکھتا ہے

مدت ہاست کہ در گوشہ دہلی بہ وضع توکل و تجرید بسر می برد۔ مرد گرامی ست صحبتش بے ذوق نیست بانواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم[۵۲]

شیخ موصوف کی تصنیفات میں سے تذکرہ اولیائے ہند کا ذکر کیا ہے اور اسکی نسبت لکھتا ہے۔

و کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند بنظر در آمدہ خیلے زحمت کشیدہ۔

میر عضد دولہ نے جب فرہنگ جہانگیری پیش کی ہے تو اسکی نسبت لکھتا ہے۔

الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع لغات را از اشعار علما قدما مستشہد آوردہ درین فن کتابے مثل این نمی باشد۔ فیل خاصہ عنایت نمودم[۵۳]

فارسی کا ایک محقق اس کتاب کی نسبت اس سے بڑھکر مدققانہ کیا رائے دیسکتا ہے فارسی لغت میں جسقدر کتابیں اسوقت تک لکھی گئی تھیں کسی میں قدما کے اشعار سے سند لانیکا التزام نہ تھا اور فرہنگ جہانگیری کا یہی امتیازی وصف ہے

یاد ہوگا کہ فیضی جب اکبر کے دربار میں آیا ہے تو جہانگیر اور مراد کی تعلیم پر مقرر ہوا چنانچہ خود لکھتا ہے ع

یکے معلم شاہزادہائے عظام

جہانگیر کی علمی قابلیت تصدیق کرتی ہے کہ فیضی نے اپنا فرض نہایت کامیابی کے ساتھ ادا کیا خانخانان

[۵۱] توزک جہانگیری صفحہ ۲۹۲ [۵۲] توزک جہانگیری صفحہ ۵۹۳ [۵۳] توزک جہانگیری صفحہ ۱۶۶

بھی جہانگیر کا اتالیق رہ چکا ہے۔ ایسے اُستادوں کے فیض تعلیم سے ہم ایسے ہی نتیجہ کی توقع رکھ سکتے ہیں۔
جہانگیر کا استفادہ علمائے اسلام تک محدود نہ تھا۔ وہ ہندو پنڈتوں اور درویشوں کے ساتھ بھی اسی
خلوص اور عقیدت سے پیش آتا ہے۔ اسکے زمانے میں جدروپ سناسی ایک مرتاض درویش تھا وہ پہاڑ
کی کھوہ میں ایک نہایت دشوار گذار جگہ میں رہتا تھا جہانگیر بارہا اسکی خدمت میں گیا اور اس سے علمی
صحبتیں رہیں۔ وہ جدروپ کا جب ذکر کرتا ہے تو عقیدت مندی اور محبت سے لبریز نظر آتا ہے چونکہ اسکی جائے
قیام تک سواری نہیں جا سکتی تھی قریب تین میل کے پیادہ چلکر وہاں پہونچا ہے چھ گھنٹے تک اسکی صحبت
میں رہا چنانچہ ملاقات کا حال تفصیل سے لکھکر لکھتا ہے۔

علم بیدانت راکہ علم تصوف باشد خوب ورزیدہ تا شش گھڑی بہ او صحبت داشتم سخنان خوب مذکور
ساخت چنانچہ خیلے در من اثر کرد۔

داستان عہد گل را از نظیری مے شنو عندلیب آشفتہ تر گفت است این افسانہ را

مجددان اسلام

علامہ ابن تیمیہ حرانی

اسلام میں سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں علما فضلا مجتہدین ایمہ فن اور مدبرین ملک گذرے لیکن مجدد یعنے
رفارمر بہت کم پیدا ہوئے ایک حدیث ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوگا اگر یہ حدیث مان لیجائے تو آجتک
کم از کم ۱۳ مجدد پیدا ہونے چاہئیں لیکن اس حدیث کے صادق آنے کے لئے جن لوگوں کو مجددین کا لقب
دیا گیا ان میں سے اکثر معمولی درجہ کے لوگ ہیں یہانتک کہ علامہ سیوطی بھی اس منصب کے امیدوار ہیں اسکی وجہ
یہ ہی کہ لوگوں نے مجدد کے رتبہ کا اندازہ نہیں کیا مجدد یا رفارمر کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں۔

(۱) مذہب یا علم یا سیاست (پالٹیکس) میں کوئی مفید انقلاب پیدا کردے۔

(۲) جو خیال اُسکے دل میں آیا ہو کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہادی ہو،

(۳) جسمانی مصیبتیں اُٹھائی ہوں جان پر کھیلا ہو سرفروشی کی ہو،

یہ شرائط قدما میں بھی بہت کم پائے جاتے ہیں اور ہمارے زمانہ میں تو رفارمر ہونیکے لئے صرف یورپ کی تقلید کافی ہی
تیسری شرط اگر ضروری قرار نہ دیجائے تو امام ابوحنیفہ۔ امام غزالی۔ امام رازی شاہ ولی اللہ صاحب اس
دائرے میں آسکتے ہیں۔ لیکن جو شخص رفارمر کا اصلی مصداق ہوسکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہ ہیں ہم اسبات
سے واقف ہیں کہ بہت سے امور میں امام غزالی وغیرہ کو ابن تیمیہ پر ترجیح ہے لیکن وہ امور مجددیت کے دائرے

سے باہر ہیں مجددیت کی اصلی خصوصیتیں جس قدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اسکی نظیر بہت کم مل سکتی ہے اسلئے ہم اس عنوان کے ذیل میں علامہ موصوف کے حالات اور انکی مجددیت کے خصوصیات لکھنا چاہتے ہیں

نام و نسب و ولادت احمد نام عرف ابن تیمیہ تقی الدین لقب سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن الخضر بن علی بن عبد اللہ بن تیمیہ الحرانی،

دمشق کے علاقہ میں حران ایک مقام کا نام ہے ان کے آبا و اجداد یہیں کے رہنے والے تھے ان کے دادا محمد بن خضر کی والدہ کا نام تیمیہ تھا وہ نہایت قابل تھیں اور وعظ کہا کرتی تھیں علامہ موصوف انہیں کی طرف منسوب ہوکر ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں علامہ کے خاندان میں سات آٹھ پشت سے درس و تدریس کا شغل چلا آتا تھا اور وہ سب لوگ علم و فن میں ممتاز گذرے علامہ کے والد عبد الحلیم بہت بڑے عالم تھے فن حدیث میں انکو کمال حاصل تھا۔

علامہ موصوف دوشنبہ کے دن ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ ہجری میں بمقام حران پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ تاتاری بغداد کو غارت کرکے شام کی طرف پھیل رہے تھے اور جدہر جاتے تھے ملک کے ملک برباد کرتے جاتے تھے علامہ کے والد اسی پریشانی میں رات کو چھپکر تمام خاندان کے ساتھ حران سے نکلے الگ الگ سواری کا بندوبست نہ تھا اس لئے سب کے سب ایک گاڑی میں بیٹھے کتابیں بھی اسی گاڑی میں رکھ لیں تاتاری بھی تعاقب میں تھے لیکن خدا نے بچالیا اور گرتے پڑتے دمشق پہونچ گئے یہ ۶۶۷ھ ہجری کا واقعہ ہے اسوقت علامہ کی عمر ۶ برس کی تھی علامہ نے والد کے اشارہ سے دمشق میں علم کی تحصیل شروع کی دس برس عمر نہیں ہونے پائی تھی کہ نحو صرف، ادب وغیرہ سے فراغت حاصل کی ۱۷ برس کی عمر تک پہونچتے پہونچتے فتوے دینے کے قابل ہوگئے تصنیف و تالیف بھی اسی عمر میں شروع ہوگئی ۲۱ برس کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا وہ متعدد مدارس میں مدرس تھے ان کے بعد ان تمام مدرسوں میں باپ کا عہدہ انکو ملا۔

علامہ موصوف نے جن اساتذہ سے علوم کی تحصیل کی ان کی تعداد دو سو تک پہونچتی ہے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انکے اساتذہ میں زینب بھی ہیں جو ایک فاضل خاتون تھیں ۶۹۱ھ ہجری میں دار الحدیث سکریہ میں جو خاص فن حدیث کا درس گاہ تھا پہلا درس ہوا اس درس میں بڑے بڑے علماء و فضلاء استفادہ کی غرض سے شریک ہوئے چنانچہ قاضی القضاۃ بہاؤ الدین شیخ تاج الدین فزاری زین الدین ابن مرحل شیخ

ف ۱ علامہ ابن تیمیہ کے حالات اگرچہ اکثر کتابوں میں مذکور ہیں لیکن طبقات الحنابلہ میں ابن رجب حنبلی نے جو خود علامہ موصوف کے شاگرد کے شاگرد ہیں انکا حال زیادہ تفصیل سے لکھا ہے ذیل ابن خلکان اور طبقات الحفاظ میں بھی مفید حالات ہیں حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں نہایت دلچسپ اور مفید حالات لکھے ہیں لیکن میرے پاس اس کتاب کا جو نسخہ تھا نہایت غلط تھا اسلئے اکثر جگہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

زین الدین بن منجا تک شریک تھے۔

علامہ نے صرف بسم اللہ کے متعلق اس قدر نکات اور دقائق بیان کئے کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے تاج الدین فزاری نے یہ تقریر حرف بحرف قلمبند کی اسی زمانہ میں جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد قرآن مجید کی تفسیر پر ابتدا سے بہ ترتیب درس دینا شروع کیا یہ درس اس قدر مفصل اور بسیط ہوتا تھا کہ سورہ نوح کی تفسیر کئی برس میں تمام ہوئی۔

اُن کے علم و فضل کا شہرہ اس قدر عام ہوتا جاتا تھا کہ ۶۹۰ھ ہجری سے پہلے پہلے یعنے جب انکی عمر ۳۰ برس کو بھی نہ پہونچی تھی قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن اُنھوں نے انکار کیا[۵۱] ۶۹۱ھ ہجری میں حج کو گئے اور جب واپس آئے تو تمام ملک میں انکے فضل و کمال کا سکہ جم چکا تھا لیکن اس حسن قبول کے ساتھ مخالفت کا سامان بھی جمع ہوتا جاتا تھا۔

اسلامی فرقوں میں سے اشعری اور حنبلی آپس میں حریف مقابل تھے لیکن امام رازی نے اشاعرہ کے مذہب کو اس قدر مدلل اور روشن کر دیا تھا کہ حنبلی مذہب گویا بجھ چلا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ حنبلی تھے اور انکے نزدیک حنبلیوں کی رائے صحیح تھی اسلئے اُنھوں نے دلیری سے حنابلہ کے ان خیالات کا اظہار کیا[۵۲] ۶۹۸ھ ہجری میں ایک استفتا اُن کے پاس اسکے متعلق آیا انھوں نے دو تین گھنٹہ میں اس کا لمبا چوڑا جواب لکھا جو حمویہ کے نام سے مشہور ہے اس میں نہایت تفصیل سے اشعریوں کی غلطی ثابت کی یہ پہلا دن تھا کہ اُن کی عداوت اور مخالفت کی صدا بلند ہوئی فقہا نے ان سے جاکر بحث کی لیکن قاضی امام الدین قزوینی ان کے طرفدار ہو گئے اور کہا کہ جو شخص علامہ کے مخالف کوئی بات کہے گا میں اسکو سزا دونگا[۵۳] شورش یہاں تک بڑھی کہ قاضی حنفی نے منادی کرادی کہ ابن تیمیہ فتوے نہ دینے پائیں لیکن حکام میں سے ایک صاحب اثر نے علامہ کی طرفداری کی اور فتنہ فرو ہو گیا[۵۴]

۷۰۵ھ ہجری میں یہ فتنہ پھر بڑے زور شور سے اُٹھا یہاں تک کہ شاہی حکم آیا کہ نائب السلطنۃ افرم علما و فضلا کے مجمع میں علامہ کا اظہار لیں غرض ۷۰۵ھ ہجری میں تمام قضاۃ اور علما ایوان شاہی میں جمع ہوئے اور علامہ کو بلوا بھیجا وہ اپنی تصنیف عقیدہ واسطیہ ہاتھ میں لیکر آئے اور اُسکو پڑھکر سنایا تین جلسوں میں پوری کتاب ختم ہوئی پھر ۷ صفر ۷۰۵ھ ہجری کو مناظرہ کی مجلس منعقد ہوئی اور علامہ صفی الدین ہندی افسر مناظرہ مقرر ہوئے پھر کسی وجہ سے انکے بجائے کمال زملکانی جو مشہور محدث تھے اس خدمت پر مامور ہوئے بالآخر سب نے تسلیم کیا کہ علامہ کے عقائد اہل سنت کے عقائد ہیں چند روز کے بعد شاہی فرمان آیا کہ علامہ پر جو الزا

---

۵۱ طبقات الحنابلہ، ۵۲ فوات الوفیات ۵۳ و ۵۴ کا منہ حالات ابن تیمیہ ۵۵ طبقات الحنابلہ ابن رجب۔

لگائے گئے تھے غلط تھے حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں لکھا ہے کہ علامہ نے اقرار کیا کہ میرے عقائد امام شافعی کے عقائد ہیں،

۲۱ رجب ۷۰۵ھ کو علامہ مزی نے بخاری کی کتاب فعال العباد کا درس جامع مسجد میں دیا اس پر بعض شافعیون کو خیال ہوا کہ اسکا روئے سخن ہماری طرف ہے چنانچہ قاضی شافعی سے جاکر شکایت کی قاضی نے انھا اسی کو قید کر دیا علامہ ابن تیمیہ کو خبر ہوئی تو خود گئے اور بزور اسکو قیدخانہ سے چھڑا لائے قاضی صاحب سنکر قلعہ مین گئے کہ نائب السلطنت سے اسکی شکایت کرین اتفاق سے علامہ بھی وہیں موجود تھے رد و در رد گفتگو ہوئی او سنت کلامی تک نوبت پہونچی بالآخر نائب السلطنت نے رفع فساد کے لئے منادی کرادی کہ جو شخص ان عقائد کا اظہار کریگا اسکو سزا دیجائیگی[1]۔

چند روز کے بعد یہ فتنہ پھر اٹھا امرائے دربار میں سے بیبرس جاشنگیر حکومت کا دایان ہاتھ تھا اور وہ شیخ نصر منبجی کا نہایت معتقد تھا شیخ نصر، علامہ ابن تیمیہ اور ان کے عقائد کے سخت مخالف تھے یہانتک کہ بعض لوگونکو اس جرم پر قتل کرا چکے تھے انھون نے بیبرس کو آمادہ کیا کہ علامہ دمشق سے قاہرہ میں طلب کئے جائیں چنانچہ ۲۲ رمضان ۷۰۵ھ کو علامہ ڈاک میں بیٹھکر دمشق سے قاہرہ آئے اور اس کے دوسرے دن قلعہ میں دربار عام ہوا قاضی بن مخلوق مالکی حکم ہو کر بیٹھے ایک شخص جس کا نام ابن عدلان تھا اسنے اظہار دیا کہ ابن تیمیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا حرف اور الفاظ کے ذریعہ سے بولتا ہے اور اسکی طرف انگلیون سے اشارہ کیا جاسکتا ہے یہ کہکر اسنے قاضی ابن مخلوق کی طرف دیکھا کہ کیا ایسا شخص قتل کا مستحق نہیں ہے؟ قاضی صاحب نے علامہ کی طرف خطاب کیا، علامہ نے خطبہ (لکچر) کے طور پر جواب دینا چاہا اسلئے پہلے حمد و ثنا شروع کی قاضی نے کہا جلد جواب دو علامہ بولے کہ کیا حمد و ثنا نہ کروں۔ قاضی نے کہا اچھا وہ بھی ہو چکی اب تو جواب دو علامہ چپ ہو رہے جب زیادہ اصرار ہوا تو انھوں نے کہا کہ حکم کون ہے؟ لوگوں نے قاضی صاحب کی طرف اشارہ کیا چونکہ وہ اشعری تھے علامہ نے کہا یہ خود فریق مقدمہ ہیں حکم کیونکر ہوسکتے ہیں اس پر لوگ برہم ہوئے اور علامہ کو مجلس سے اٹھا دیا، علامہ کے بھائی شیخ شرف الدین بھی اس معرکہ میں موجود تھے وہ بھی علامہ کے ساتھ اٹھے اور انکے منھ سے بد دعا نکلی علامہ نے روکا اور کہا کہ یوں کہو۔

غرض قاضی مالکی کے حکم سے علامہ قلعہ کے قیدخانہ میں بھیجے گئے لیکن جب قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ قیدخانہ میں کچھ روک ٹوک نہیں لوگ علامہ سے بے تکلف ملتے جلتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ ابن تیمیہ کا کفر ثابت ہو چکا ہے اسلئے فرض تو یہی تھا کہ وہ قتل کر دئے جاتے لیکن کم از کم قیدخانہ کی سختی ضرور ہے،

[1] یہ واقعات صرف درر کامنہ میں ہیں، درر کامنہ،

غرض عید کے دن قلعہ سے منتقل ہوکر جُب یوسف میں جو نہایت تنگ و تاریک قید خانہ ہے قید کئے گئے اسی زمانہ میں ایک فرمان نافذ ہوا کہ جو شخص ابن تیمیہ کا ہمخیال ہوگا قتل کردیا جائے گا یہ فرمان ابن شہاب محمود نے جامع مسجد میں جا کر پڑھا حنبلی فرقہ کے لوگ ہر جگہ سے گرفتار ہوکر آئے اور ان سے یہ اقرار لیا گیا کہ وہ شافعی العقیدہ ہیں قاہرہ میں حنبلیوں کو طرح طرح کی سزائیں دی گئیں کہ وہ ابن تیمیہ کے عقیدہ سے باز آئیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس عام آشوب میں علامہ کی جنہے حمایت کی وہ شمس الدین ابن الجویری تھے جو مذہباً حنفی تھے انھوں نے ایک محضر لکھا جس میں یہ عبارت لکھی کہ تین سو برس سے ابن تیمیہ کا کوئی ہمسر نہیں پیدا ہوا، اس جرم کی سزا میں شمس الدین کی معزولی کی کوشش کی گئی چنانچہ وہ اگلے سال معزول کردیئے گئے

اتفاق یہ کہ سالار جو سلطان ناصر کا دست و بازو تھا علامہ کی حمایت پر آمادہ ہوا اس نے تینوں مذہب کے فقہا کو جمع کیا اور خواہش کی کہ علامہ قید سے رہا کردیئے جائیں سب نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ اگر وہ چند شرائط قبول کریں اور بعض عقائد سے باز آئیں تو البتہ انکی رہائی ہوسکتی ہے چنانچہ ان شرائط کے قبول کرنے کے لئے علامہ طلب کئے گئے لیکن وہ نہ آئے بار بار انکو پیغام بھیجا گیا لیکن ان کو خیال آزادی کے مقابلہ پر اپنا قید ہونا گوارا تھا[۳]

اس زمانہ کے واقعات کے متعلق ایک تحریر خود علامہ کی ہماری نظر سے گذری ہے اس کا نام مناظرہ مصریہ ہے اسکے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ۷۰۷ھ ہجری میں دو شاہی عہدہ دار میرے پاس آئے کہ چل کر علما کے سامنے اپنے عقائد کا ثبوت بیان کیجئے میں نے کہا سال بھر سے تم لوگ میرے خلاف لوگوں کے بیان سنتے رہے اور کبھی مجھکو جواب کا موقع نہیں دیا اب ایک دفعہ تنہا میرا بیان بھی سن لو پھر مجمع عام میں گفتگو ہوگی دونوں عہدہ دار واپس گئے اور یہ پیغام لائے کہ آپ کو مجبوراً چلنا ہوگا میں نے انکار کیا وہ لوگ واپس گئے اور پھر یہ پیغام لائے کہ فلاں فلاں عقیدوں سے باز آؤ، میں نے اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا،

لطیفہ جن دنوں علامہ قید میں تھے باہر کے ایک رئیس نے علامہ کی صورت کا ایک آدمی دیکھا متعجب ہوکر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اسنے کہا کہ ابن تیمیہ رئیس کو نہایت تعجب ہوا اسنے ماردین کے رئیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی رئیس ماردین نے بادشاہ مصر کو لکھا، لوگوں کو نہایت حیرت ہوئی علامہ نے اس واقعہ کو ایک ضمنی موقع پر رسالہ الفرقان میں لکھا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ غالباً جن تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ کی عظمت و شان نے اس رئیس کے دل میں ایک خیالی صورت پیدا کی جو مجسم ہوکر

---

[۱] درر کامنہ، [۲] درر کامنہ [۳] طبقات و درر کامنہ [۴] مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۱

نظر آئی جن کا خیال علامہ کی وہم پرستی ہے (جن کے وجود سے انکار نہیں لیکن جن یوں صورت بدلکر لوگوں کے پاس آیا جایا نہیں کرتے)

غرض ڈیڑھ برس تک علامہ قید خانہ میں رہے انکے بھائی بھی ساتھ تھے معمول تھا کہ قیدیوں کو کھانا کپڑا حکومت کی طرف سے ملتا تھا لیکن علامہ نے عطیہ سلطانی سے بالکل انکار کیا اور فقر و فاقہ سے بسر کی [۱]

ربیع الاول ۷۰۷ھ ہجری میں مہنا بن عیسیٰ جو عرب کا مشہور رئیس تھا مصر میں آیا اور قید خانہ میں جاکر علامہ کو چھوڑا لایا اس کے بعد متعدد جلسے منعقد کئے اور تمام علما و فضلا کو جمع کیا جس میں علامہ نے مسائل متنازع فیہ پر گفتگو کی صاحب طبقات نے علامہ ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علامہ نے قتل کے سوا بعض مسائل میں اتفاق کیا لیکن صاحب وفیات نے جو علامہ کا شاگرد ہے لکھا ہے کہ علامہ نے سب کو زور استدلال سے مغلوب کر لیا بہر حال علامہ قید خانہ سے نکل کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور چند روز کے لئے انکو اطمینان نصیب ہوا۔

سلسلۂ سخن کے اتصال سے ہم بہت دور نکل آئے اور بیچ کے اہم واقعات جن میں علامہ نے ملکی معاملات انجام دیئے چھوٹ گئے علامہ موصوف علما کی طرح اپنا فرض منصبی صرف نماز روزہ ادا کرنا نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک مہمات سیاست میں دخل دینا بھی علما کے فرائض میں داخل تھا ۶۹۹ھ ہجری میں جبکہ انکی عمر ۱۸-۱۹ برس کی تھی غازان خان بن ہلاکو خان نے شام پر حملہ کیا سلطان ناصر بادشاہ مصر اس کے مقابلہ کو نکلا لیکن بڑے معرکہ کے بعد شکست کھائی غازان خان نے آگے بڑھکر حمص پر قبضہ کر لیا اسکی آمد آمد کی خبر سنکر دمشق میں اس قدر ابتری پھیلی کہ عام غارتگری شروع ہو گئی علامہ ابن تیمیہ یہ دیکھکر خود غازان خان کے پاس گئے اور اس سے امن کا فرمان لیکر آئے عام لوگ تو یہ سنکر مطمئن ہو گئے لیکن فوج نے نہ مانا اور شہر کو لوٹنا شروع کر دیا علامہ ابن تیمیہ نے شیخ الشیوخ نظام الدین محمود کو لیکر شہر کا بندوبست اور امن و امان قائم کیا پھر غازان سے جاکر ملاقات کی اسکے بعد تاتاری فوجیں بیت المقدس وغیرہ پر بڑھیں اور ہزاروں آدمی گرفتار کر لیئے علامہ غازان کے سردار لشکر کے پاس گئے اور بہت سے قیدیوں کو چھڑا کر لائے

۷۰۰ھ ہجری میں غازان خان نے بڑے زور شور سے شام کے حملہ کی تیاری کی قتلوشاہ اور تولائے جو اسکے سپہ سالار تھے فوجیں لے کر آگے بڑھے یہ خبر سنکر علامہ نے جاکر نسے گفتگو کی اور انکو اس ارادے سے روکا ساتھ ہی جہاد کا سامان کیا اور ہر قسم کی تیاریاں شروع کیں اس وقت تو یہ فتنہ فرو ہو گیا لیکن

---

[۱] طبقات الحنابلہ ص۔ یہ تمام واقعات تاریخ ابن [illegible]

سال بھر کے بعد تاتاریوں کا سیلاب پھر امنڈا اور ہر طرف تاتاری فوجیں پھیل گئیں علامہ ڈاک میں بیٹھکر مصر پہونچے اور اعیان سلطنت سے ملکر ان کو جہاد کی ترغیب دی تمام شہروں سے ملنے کے لئے آیا یہانتک کہ علامہ تقی الدین ابن دقیق العید جو امام المحدثین اور قاضی القضاۃ تھے وہ بھی تشریف لائے مصر کے لوگوں کو آمادہ کر کے علامہ دمشق کو واپس گئے اور جہاد کی تیاریاں کیں [۱]۔

۷۰۲ھ ہجری میں تاتاریوں نے پھر نہایت سر و سامان سے شام پر چڑھائی کی قتلو شاہ اور چوپان جو سردار فوج تھے نوے ہزار فوج لے کر بڑھے اسوقت شام سلطان ناصر کے قبضہ میں تھا اسکو خبر ہوئی تو بہت گھبرایا ارکان دربار نے بھی ہمت ہار دی علامہ یہ حالات سنکر ڈاک میں شام سے مصر پہونچے اور بادشاہ سے ملکر نہایت بیباکی سے اسکو غیرت دلائی اور کہا کہ اگر تم اسلام کی حمایت نکروگے تو خدا کسی اور کو بھیجے گا جو اس فرض کو انجام دیگا اسکے بعد علامہ نے قرآن مجید کی یہ آیتیں پڑھیں۔

وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم
اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو خدا تمہارے بدلے اور قوم بھیجے گا اور وہ تمہاری طرح (بزدل) نہونگے،

علامہ نے جس دلیری اور بیباکی سے بادشاہ سے گفتگو کی تمام لوگوں کو حیرت ہوئی امام تقی الدین ابن دقیق العید کو بھی انکی جرات اور لطف استنباط پر حیرت ہوئی [۲]۔

علامہ کو اس سفارت میں پوری کامیابی حاصل ہوئی سلطان ناصر شام کی طرف بڑھا اور مرج الصفر میں جس کا دوسرا نام شقحب ہے دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں بڑے زور کا رن پڑا۔ بالآخر تاتاریوں کی تمام فوجیں برباد ہوگئیں ابن تیمیہ اس معرکہ میں علامہ کے بجائے ایک بہادر سپاہی نظر آتے تھے۔

غازان خاں اور امرائے تاتار کی سفارتوں میں علامہ نے جس آزادی اور دلیری سے سفارت کی خدمت انجام دی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک دفعہ جب وہ سپہ سالار قطلوخان کے پاس ایک شخص کی دلدہی کے لئے گئے تو قطلوخاں نے استہزاء کے طور پر کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی آپ نے بلا بھیجا ہوتا میں خود حاضر ہوتا علامہ نے کہا نہیں حضرت موسی فرعون کے پاس خود جاتے تھے فرعون حضرت موسی کے پاس نہیں آتا تھا [۳]

علامہ موصوف نے شیخ محی الدین اکبر وغیرہ کے متعلق متعدد رسالوں میں لکھا تھا کہ وہ وحدت وجود کے قائل ہیں یعنے خدا اور مخلوقات سب ایک ہیں، اور یہ مذہب اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے اس پر صوفیوں نے حاکم شافعی سے جاکر شکایت کی اسکے فیصلہ کے لئے ایک مجلس منعقد ہوئی علامہ پر جو الزامات لگائے گئے تھے وہ غلط ثابت ہوئے لیکن علامہ نے یہ تسلیم کیا کہ میں رسول اللہ سے استغاثہ کرنے کو ناجائز سمجھتا ہوں اسپر

---

[۱] فوات الوفیات [۲] ابن خلدون اور طبقات الحنابلہ ۱۲ [۳] فوات الوفیات،

لوگوں میں اختلاف رائے پیدا ہوا بعض کہتے تھے کہ اس میں کیا حرج ہے لیکن حاکم بن جماعہ نے کہا کہ یہ خلاف ادب ہے فیصلہ یہ ہوا کہ مقدمہ قاضی کے پاس بھیجدیا جائے وہ احکام شریعت کے موافق فیصلہ کردیں آخر سلطنت کی طرف سے یہ حکم صادر ہوا کہ علامہ کے سامنے دو باتیں پیش کیجائیں یا تو چند شرائط کے ساتھ چھوڑ دیے جائیں یا اگر شرائط کے قبول کرنے سے انکار ہو تو قید خانہ گوارا کریں،

علامہ نے قید خانہ قبول کیا لیکن ان کے احباب نے جو دمشق سے انکے ساتھ آئے تھے اپنی طرف سے ذمہ داری کی کہ علامہ کو وہ شرطیں منظور ہیں اس بنا پر دمشق جانے کی اجازت ملی اور علامہ ڈاک میں روانہ ہوئے لیکن دوسرے دن پھر واپس آنا پڑا اور امرا اور قضاۃ نے پھر ایک مجمع کیا مختلف لوگ مختلف رائیں دیتے تھے بعض نے قید کی رائے دی قاضی مالکی نے کہا ان پر کوئی جرم ثابت نہیں ہے نورالدین زوادی سے لوگوں نے پوچھا تو متحیر تھے کہ کیا جواب دیں علامہ نے دیکھا کہ انکی وجہ سے لوگوں میں اختلاف آرا ہوتا ہے بولے کہ میں خود قید خانہ جاتا ہوں زوادی نے کہا اگر قید خانہ میں بھیجے جائیں تو وہاں انکی شان کے مناسب انسے برتاؤ کیا جائے اوروں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا سلطنت اسکو منظور نہیں کرسکتی قید خانہ میں عام قیدیوں کی طرح رہنا ہوگا غرض قید خانہ میں بھیجے گئے لیکن احترام قائم رہا خدام کو انکے ساتھ رہنے کی اجازت دیگئی ہر شخص کو ان کے پاس آنے جانے کا مجاز تھا چنانچہ مشکل مشکل فتوے لیکر لوگ آتے تھے اور علامہ انکے جواب لکھتے تھے اکثر لوگ برکت کی غرض سے ملنے جاتے تھے خاص انکے یاران صحبت کو بھی آزادی حاصل تھی بے تکلف انسے مل سکتے تھے

سلطان مظفر کی چند روزہ سلطنت میں قاہرہ سے اسکندریہ بھیجدیے گئے اور ایک وسیع خوش منظر برج میں نظر بند کئے گئے لیکن یہاں بھی ہر طرح کی آزادی حاصل تھی نہانے کے لئے حمام میں جاسکتے تھے جب دوبارہ سلطان ناصر کو غلبہ حاصل ہوا اور سلطان مظفر قتل کردیا گیا تو سلطان نے حکم دیا کہ علامہ نہایت عزت واحترام کے ساتھ قاہرہ میں بلائے جائیں چنانچہ ۷۰۹ھ ہجری میں نہایت احترام کے ساتھ قاہرہ میں آئے سلطان نے دربار میں بلایا اور جب وہ آئے تو کھڑے ہوکر تعظیم دی

سلطان نے مجمع عام میں علامہ کی نہایت تعریف کی جس سے غرض یہ تھی کہ لوگ ان کی مخالفت سے باز آئیں، سلطان نے یہ بھی ارادہ کیا کہ علامہ کے مخالفوں کو سزا دے چنانچہ خود علامہ سے مشورہ کیا لیکن انھوں نے باز رکھا ابن مخلوق جو علامہ کے قتل کے درپے تھے اس موقع پر موجود تھے علامہ نے ان سے بھی

---

[۱] طبقات ابن رجب ۵ درر کامنہ میں لکھا ہے کہ قاضی زین بن مخلوق نے ان کو نائب السلطنت سے کہکر اسکندریہ کے قید خانہ میں رکھوایا تھا کہ کوئی ان سے ملنے نہ پائے لیکن لطف یہ ہے کہ جب قاضی صاحب نے یہ حکم بھجوایا تھا تو مرض الموت میں گرفتار تھے حسن خاتمہ بغیر اسکے کیونکر ہوسکتا تھا،

درگذر کی چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ابن تیمیہ جیسا جوانمرد نہیں دیکھا میں نے انکے قتل کی کوشش کی لیکن جب مجھ پر انکو قابو ملا تو معاف کر دیا۔[۱]

مہینہ بھر کے بعد سلطان نے پھر علامہ کو طلب کیا اور انسے ملاقات کی سلطان کی حسن عقیدت کی وجہ سے علامہ کا آستانہ مرجع عالم بن گیا امراء اہل فوج و درباری سب آتے تھے اور نہایت عزت و احترام سے ملتے تھے لیکن بعضوں کو اس قدر عناد تھا کہ اس حالت میں بھی شرارت سے باز نہ آتے تھے ان میں ایک بزرگ فقیہ بکری تھے انھوں نے ایک دن علامہ کو اکیلا پاکر گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ عدالت میں چلو مجھکو تم پر استغاثہ کرنا ہے زیادہ شور و غل ہوا تو ادہر ادہر سے لوگ جمع ہو گئے فقیہ صاحب بھاگ نکلے اتفاق یہ کہ ایک مدت کے بعد کسی بات پر سلطان فقیہ صاحب سے ناراض ہوا اور حکم دیا کہ انکی زبان کٹوا دیجائے علامہ کو خبر ہوئی سلطان کے پاس جاکر سفارش کی اور اتنی بات پر معاملہ ٹل گیا کہ وہ فتوی نہ دینے پائیں۔

۷۱۲ھ ہجری میں سلطان تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے شام کو روانہ ہوا علامہ بھی جہاد کی غرض سے ساتھ ہوئے اور عسقلان تک ساتھ ساتھ آئے یہاں سے بیت المقدس کی زیارت کے لئے گئے زیارت سے فارغ ہو کر سات برس کے بعد دمشق میں آئے ان کے بھائی اور اکثر شاگرد بھی ساتھ تھے شہر کے لوگوں کو خبر ہوئی تو تمام شہر امنڈ آیا بڑی دہوم دہام سے شہر میں داخل ہوئے اور جن مدارس میں درس دیتے تھے وہاں درس دینا شروع کیا،

۷۱۸ھ ہجری میں علامہ نے حلف طلاق کے متعلق جمہور فقہا کے مخالف رائے ظاہر کی اس پر پھر ہنگامہ برپا ہوا یہانتک کہ لوگوں نے حکام سے شکایت کی اور امن و امان قائم رہنے کی غرض سے بادشاہی فرمان صادر ہوا کہ وہ فتوی نہ دینے پائیں، شہر میں اسکی عام منادی کرادی گئی لیکن علامہ نے کہا کہ حق کا چھپانا جائز نہیں چنانچہ عام طور پر فتوی دیتے رہے بالآخر سلطان کے حکم سے قید کئے گئے اور قلعہ میں بھیجدئے گئے ۵ مہینے کے بعد ۷۲۱ھ میں رہائی ملی اور بدستور پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوئے لیکن جو عام ناراضی پھیل چکی تھی اسکی آگ رہ رہ کر سلگتی اور بھڑکتی تھی ہیں برس پہلے علامہ نے ایک فتوی لکھا تھا کہ صرف زیارت کے ارادے سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا شرعاً ثابت نہیں یہ فتوی ایک فتنہ خوابیدہ تھا جسکو موقع پاکر لوگوں نے جگایا اور تمام شہر میں آگ سی لگ گئی اٹھارہ بڑے بڑے فقہانے علامہ کے اوپر کفر کا فتوی دیا جن کے سرگروہ قاضی اخنائی مالکی تھے[۲] چاروں مذہب یعنی حنفی شافعی مالکی حنبلی فقہاسے فتوی لیا گیا سبنے بالاتفاق علامہ کی قید کا فتوی دیا چنانچہ شعبان ۷۲۶ھ میں شاہی فرمان کی رو سے وہ دمشق کے قلعہ میں قید کر دئے گئے ان کے بھائی

---

[۱] طبقات [۲] درر کامنہ میں حافظ ابن حجر نے اسکو ۷۱۹ھ ہجری کا واقعہ بتایا ہے [۳] طبقات

ف الدین پر اگرچہ جرم نہ تھا لیکن انکی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بھائی [illegible] دین اپنی خوشی سے قید خانہ
گئے ۲۰ جمادی الاولی کو قید خانہ ہی میں انکا انتقال ہوگیا انکے جنازہ [illegible] قلعہ سے باہر پڑھی گئی لیکن
مہ کو بھائی کے جنازہ میں شرکت کا موقع نہ دیا گیا مجبوراً قید ہی کی حالت میں قلعہ کے اندر نماز ادا کی چونکہ تکبیر
ناز اندر تک سنائی آتی تھی اسلئے نماز کے ارکان میں فرق نہ آیا لیکن بھائی کا بھائی کے جنازہ میں نہ شریک ہو سکنے
ب کو رقت ہوئی اور لوگ بہت روئے[1]

قید کی حالت میں بھی علامہ کا پاس ادب محفوظ رکھا گیا انکے رہنے کو بہت اچھا کمرہ دیا گیا کمرہ ہی میں پانی کا انتظام
خدمت کیلئے ایک وفادار نوکر موجود تھا علامہ نے یہاں نہایت اطمینان سے تصنیف وتالیف شروع کی
ن مجید کے حقائق پر بہت کچھ لکھا کہا کرتے تھے کہ مجھکو یہاں جو نکات اور حقائق خدا نے القا کئے کبھی نہیں کئے تھے
وس ہے کہ قرآن کے سوا میں نے اپنی زندگی اور تصنیفات میں کیوں صرف کی جس مسئلہ پر علامہ کو سزا ملی تھی
متعلق نہایت مفصل مضامین لکھے، احباب اور اہل فتوی کو خطوط اور فتوے بھی لکھتے رہتے تھے یہ تحریریں
میں پھیلیں تو رفع فساد کے لئے حکم دیا گیا کہ ان کے پاس قلم دوات وغیرہ کوئی چیز نہ رہنے پائے اس کے بعد
مہ نے جو سب سے اخیر تحریر لکھی وہ چند سطریں تھیں جن کا مضمون یہ تھا کہ مجھکو اگر اصلی سزا دی گئی تو صرف یہی ہے
سطریں علامہ نے کوئلے سے لکھی تھیں،

اب علامہ ہمہ تن ذکر وعبادات تلاوت قرآن مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہوئے بالآخر بیمار ہوئے
۲۰ دن بیمار رہکر دوشنبہ کی رات ذوقعدہ ۷۲۸ھ میں وہ آفتاب علم دنیا کی افق سے چھپ گیا اور تمام عالم میں
ریکی چھاگئی۔

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد　　من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

علامہ کی زندگی تک تو زمین اور آسمان اُن کے دشمن تھے لیکن جب اُن کے مرنے کی خبر پھیلی
تمام ملک پر سناٹا چھا گیا موذن نے جامع مسجد کے مینارہ پر چڑھکر اعلان دیا پولیس والوں نے
برجوں سے منادی کی دفعتہً تمام دکانیں بند ہوگئیں [illegible] کے پاس جاکر لوگوں نے تعزیت
رسم ادا کی ائمہ محدثین امام مزی وغیرہ نے غسل دیا قلعہ [illegible] کثرت کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ
نہیں رہی قلعہ سے لیکر جامع مسجد تک آدمیوں کی [illegible] کا شہر امنڈ آیا جامع مسجد سے قلعہ تک
لگ گئے جنازہ جامع مسجد میں لاکر رکھا گیا [illegible] سے بچانے کے لئے ہر طرف فوجیں متعین
سب سے پہلے قلعہ میں شیخ محمد تمام کی امامت [illegible] نماز پڑھی گئی پھر جامع دمشق میں نماز ہوئی

[illegible]

کہ جنازہ سے چھو جائے۔

جنازہ سروں پر چلتا تھا اور آگے بڑھ بڑھ کر کشمکش سے پیچھے ہٹ ہٹ جاتا تھا ہر چند پہلے سے کچھ اطلاع نہ تھی، فقہا اور مفتیوں نے شہر کو علامہ کا دشمن بنا دیا تھا تاہم ڈھائی لاکھ آدمی جنازہ کے ساتھ تھے جن پندرہ ہزار عورتیں تھیں رستہ میں لوگ زار زار روتے جاتے تھے[1] پردہ نشین عورتیں بالاخانوں اور کوٹھوں جنازہ کی طرف منھ کر کے نوحہ کرتی تھیں نماز میں صف قائم نہ رہ سکی صف سے صف اس طرح پیوستہ کہ بیٹھنا تک ناممکن تھا اسی حالت میں ایک شخص نے پکارا کہ اہل سنت کا جنازہ یوں اٹھتا ہے اسپر کہرام پڑ گیا اور تمام فضا گونج گئی علامہ کے بھائی زین الدین نے نماز پڑھائی اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین کے پہلو میں دفن ہوئے۔[2]

اس وقت ریل اور جہاز نہ تھے لیکن فوراً تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر پھیل گئی اور ہر جگہ نماز پڑھی گئیں۔ مسافروں نے بیان کیا کہ چین [illegible] ایک جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور منادی یہ پکارتا تھا کہ الصلوٰۃ ترجمان القرآن (مفسر قرآن کی نماز)۔

[1] فوات الوفیات ۳۵[2] یہ تمام واقعات طبقات ابن رجب اور فوات الوفیات سے لئے گئے۔